ابطال عزاداری
رشحات قلم
محدث جلیل حضرت مولانا ابو المآثر حبیب الرحمن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ
باھتمام
(مولانا) رشید احمد الاعظمی
مدیر
المجمع العلمی
مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ
مرقاۃ العلوم، پوسٹ بکس نمبر (۱) مئوناتھ بھنجن۔ یو۔پی۔

ابطال عزاداری
رشحات قلم
محدث جلیل حضرت مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ
باہتمام
(مولانا) رشید احمد الاعظمی
مدیر
المجمع العلمی
مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ
مرقاۃ العلوم پوسٹ بکس نمبر (۱) مئوناتھ بھنجن۔ یو.پی.

نام کتاب : ابطالِ عزاداری

تصنیف : محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ

صفحات : ۹۴

سن اشاعت : ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء

طبع ثانی : گیارہ سو

ناشر : المجمع العلمی، مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ

قیمت :

باہتمام : (حضرت مولانا) رشید احمد الاعظمی

ملنے کا پتہ

مرقاۃ العلوم- پوسٹ بکس نمبر ا

مئوناتھ بھنجن- ۲۷۵۱۰۱

یوپی- انڈیا

المحتویات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی علیہ الرحمۃ نے رد شیعیت کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ نا قابل فراموش ہیں، اسی طرح محدث جلیل حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے دست و بازو بن کران کا جو تعاون کیا ہے، اور علمی وفکری اعتبار سے ان کو جو مواد فراہم کیے ہیں، وہ بھی فراموش اور نظر انداز نہیں کیے جاسکتے، بار ہا ایسا ہوا کہ شیعوں کی کسی کتاب یا ان کے رسالے کا رد لکھنا ہوا، تو اسے حضرت امام اہل سنت نے حضرت والد صاحب کے پاس بھیج کر اس کا جواب لکھوایا، اور اس کو اپنے ادارے سے شائع کیا۔

رد شیعیت پر حضرت والد صاحب علیہ الرحمۃ کے متعدد رسائل یادگار ہیں، منجملہ ان کے پیش نظر رسالہ ''ابطال عزاداری'' بھی ہے، یہ رسالہ ادارہ دارالمبلغین کے ماہنامہ ''الداعی'' میں جمادی الآخرہ تا ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ کے شماروں میں قسط وار شائع ہوا تھا، تعزیہ داری اور دیگر مراسم عزاداری کے حرام اور بدعت ہونے پر اتنی جامع اور مفصل و مدلل تحریر مشکل ہی سے ملے گی، اس اعتبار سے اپنے موضوع پر یہ ایک منفرد اور اہم رسالہ ہے۔

مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ نے ادھر چند برسوں میں حضرت محدث جلیلؒ کی بیش قیمت تحریریں، اور بعض دیگر تصانیف شائع کی ہیں، اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی

پیش نظر رسالہ ''ابطال عزاداری'' بھی ہے، جسے شائقین علم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے، ناظرین سے درخواست ہے کارپردازانِ ادارہ کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ جل شانہ اخلاص کی دولت اور علم ودین کی خدمت کا مزید جذبہ عطا فرمائے، اور حضرت مؤلف علیہ الرحمۃ کو ان کے علمی ودینی کارناموں کا بہترین صلہ اور اجر جزیل عطا فرمائے، اور اس رسالہ اور اسی طرح دیگر رسائل کو بھی زیادہ سے زیادہ نافع اور مفید بنائے، آمین۔

رشید احمد الاعظمی

مدیر

مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ

مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین، و علی آلہ و صحبہ و من تبعہ الی یوم الدین۔

اہلسنت کی مذہبی بے حسی وغفلت اور شیعوں کا مذہبی احساس و بیداری، دونوں اپنی اپنی جگہ پر بےانتہا حیرت خیز وعبرت انگیز ہیں۔

ایک طرف سنیوں کی ''یہ رواداارانہ'' ذہنیت کہ تحریف و اہانت قرآن، اور صحابہ کرامؓ پرتبرا بازی ودشنام طرازی سے بھی ان کو کچھ غیرت نہیں آتی، نہ شیعوں سے کوئی نفرت پیدا ہوتی۔

دوسری طرف شیعوں کا یہ ''شریفانہ'' رویہ کہ اپنی جن مجلسوں میں سنیوں کے مذہبی روایات، مذہبی پیشواؤں اور مذہبی کتابوں پر ناپاک سے ناپاک حملے کرتے ہیں، ان میں زبردستی سنیوں کو شریک کرنا چاہتے ہیں اور جو سنی اپنے سنی بھائیوں کو منع کرتا ہے، اس پر وہابیت، غیر مقلدیت اور دشمنی اہل بیت کا آوازہ کستے ہیں۔

تعزیہ ہندوستان میں رافضیت کا شعار اور شیعہ مذہب کی اشاعت کا آلۂ کار ہے، اور تعزیہ داری مشرکانہ مراسم اور بدترین بدعات کا معجون مرکب ہے، مگر سنیوں کی بے حسی و بے تعصبی دیکھیے کہ کتنے شوق سے تعزیے بناتے اور اس کی ساری رسمیں بجا لاتے ہیں، لیکن اگر سنی صرف اتنا چاہتا ہے کہ حضرت علیؓ وحضرات حسنینؓ و دیگر بزرگان دین (مثلاً حضرت جعفر صادق، محمد باقر، محمد موسیٰ کاظم، علی رضا وغیرہم) کی تعریف و توصیف کے ساتھ ساتھ ابو بکر، عمر، عثمان اور دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ

عنہم) کی بھی مدح وثنا کریں تو شیعہ انسانیت کے جامے سے باہر ہو جاتا ہے، اور ہماری شرکت تو درکنار خاموشی سے الگ رہنا بھی گوارا نہیں کرتا، بلکہ اس پر تل جاتا ہے کہ کسی ایک سنی کو بھی کسی جگہ ہم یہ کام کرنے نہ دیں گے۔ ع

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

کیا یہ بات ہر تھوڑی سی سمجھ والے کو محو حیرت بنا دینے والی اور شیعوں کو حد درجہ ڈھیٹ ثابت کرنے والی نہیں ہے کہ ایک طرف تو تحریک مدح صحابہ کی انتہائی مخالفت اور اس کو کچلنے کے لئے وہ کوئی دقیقہ اٹھا رکھنا نہیں چاہتے۔ اور دوسری طرف وہ ہر سنی کے سامنے منہ پھیلائے ہوئے ہیں کہ تعزیہ داری جیسی مشرکانہ ورافضیانہ رسم کو خوب دھوم دھام سے بجالا کر شیعیت کی اشاعت میں شیعوں کا پورا پورا ساتھ دے۔

شیعوں کی طرف سے سنیوں میں تعزیہ داری کو مقبول بنانے اور مختلف مذاق کے لوگوں کو مختلف راہوں سے گمراہ کرنیکی کوشش جاری ہے۔ کسی کو تاریخ کی بھول بھلیاں میں اور کسے کو فلسفہ کے گورکھ دھندے میں پھنسایا جا رہا ہے، تو کسی کو حدیث وفقہ کی ''سرچ لائٹ'' دکھائی جا رہی ہے، لیکن یہ جو کچھ ہے فریبِ نظر سے زیادہ اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے ﴿كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً﴾ ترجمہ:۔مثل ریت کے جس کو میدان میں (دوپہر کے وقت) پیاسا آدمی پانی سمجھتا ہے۔

چنانچہ اسوقت میرے پیش نظر شیعوں کا ایک رسالہ ''عزاداری کی تاریخ اور اسکا اثبات سنی نقطۂ نظر سے'' ہے، یہ رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے ایک میں عزاداری کی تاریخ لکھی گئی ہے، اور دوسرے کے متعلق خود اس رسالہ کے مؤلف کا دعوی ہے کہ ''اس میں علمائے اہلسنت کی کتابوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے'' کہ عزائے حسین کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ اسکے مطالعہ سے مسئلہ عزاداری کے بارے میں برادران

اہلسنت کے عقیدے کی وضاحت ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک سنی کا محبّ اہلبیت ہونے کی حیثیت سے تعزیہ دار ہونا ضروری ہے (الی قولہ) یہ رسوم فرقۂ اہلسنت سے زیادہ تر وابستہ ہیں (ص۲)۔

میں نے اس رسالہ کا ایک ایک حرف غور سے پڑھا ہے، پہلے حصہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱:-شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد عزاداری بمعنی گریہ وماتم کی ابتدا یزید کے گھر سے ہوئی (دیکھو ص۵)۔

۲:- حضرت حسین کی شہادت کے بعد سے تین سو برس تک عشرۂ محرم میں رونے پیٹنے کی رسم کا کہیں وجود نہ تھا، ۳۵۲ھ میں سب سے پہلے معز الدولہ دیلمی (شیعہ) نے صرف دسویں محرم کو بغداد میں حضرت حسین کے ماتم کرنے کا حکم نافذ کیا، اور اس کے بعد ۳۶۳ھ میں المعز لدین اللہ فاطمی نے مصر میں بھی حکم جاری کیا (دیکھو ص۱۰-۱۱)۔

۳:-مصر وایران وغیرہ میں عزائے حسین صرف ''شیعانِ علی'' سے مخصوص ہے (دیکھو ص۱۹)۔ یعنی ہندوستان کے سوا کہیں کے سنی عزاداری اور عشرۂ محرم کی رسموں میں قطعاً شرکت نہیں کرتے۔

۴:- ہندوستان میں چھٹی صدی ہجری تک گریہ وماتم کا کہیں سے پتہ نہیں چلتا، مؤلف کا خیال ہے کہ غالباً رہا ہوگا (دیکھو ص۲۸) ناظرین غور فرمائیں کہ ''غالباً رہا ہوگا'' کتنا زبردست تاریخی ثبوت ہے۔

۵:- ہندوستان کے سوا دنیا میں کہیں بھی تعزیے نہیں بنتے۔ اور ہندوستان میں بھی آٹھویں (۱) صدی تک اسکا کوئی نشان نہیں ملتا (دیکھو ص۳۰ و۳۱)۔

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ نویں صدی تک ۱۲ منہ۔

۶:- یورپ یا دوسرے ملکوں کے سیاحوں نے تعزیہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حد ہو گئی کہ یورپ کے وہ سیاح جو مغل شہنشاہوں کے زمانہ میں ہندوستان آئے، انھوں نے بھی کچھ نہیں لکھا، برمتیر، ٹرورنیر، منوکوئی وغیرہ سب کے سب تعزیے کے بارے میں بالکل خاموش ہیں (دیکھو ص ۳۲)۔

۷:- بلکہ ٹرورنیر کے سفرنامہ سے تو علیٰ رغم الشیعہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اورنگ زیبؒ نے ماتم کی مجلس قائم کرنے کو ممنوع قرار دیدیا تھا (دیکھو ص ۳۲ و ۳۳)۔

۸:- تاریخ ہند میں ایسے دور بھی گزر چکے ہیں جبکہ تمام اطراف ہند میں شیعہ حکمراں تھے، دکن میں، گولکنڈہ، بیجاپور اور احمد نگر کے قطب شاہی اور عادل شاہی اور نظام شاہی شیعہ حکمراں تھے.......... اسی طرح میسور وسندھ، بنگال اور اودھ کی شیعہ سلطنتیں تھیں۔ جنھوں نے تعزیہ داری کی ترویج واشاعت میں ناموری حاصل کی.......... پنجاب کی نوزائیدہ شیعہ حکومت کو بھی جو جلد ہی ختم ہوگئی فراموش نہیں کیا جاسکتا.......... اسی طرح تخت دہلی پر بیٹھنے والے شیعی مغل شہنشاہ اور امرائے سلطنت نے بھی تعزیہ داری کے رواج میں یقیناً حصہ لیا (دیکھو ص ۳۸ و ۳۹)۔

شیعی رسالہ کے اس خلاصہ کو غور سے پڑھیئے اور دیکھیئے کہ حضرت شہید کربلا رضی اللہ عنہ پر گریہ وزاری کی تاریخ کتنی ''شاندار'' ہے، یزید کے گھر سے اسکی ابتدا ہونیکا ذکر شیعوں کی نہایت معتبر ومستند کتابوں میں بھی ہے، ملا باقر مجلسی ایک زبردست شیعہ مجتہد ومصنف ہیں، وہ اپنی کتاب جلاء العیون ص ۵۲۴ میں لکھتے ہیں:

''جب اہل بیتِ حسین یزید کے محل میں داخل ہوئے تو اہل بیتِ یزید نے زیور اتار کر لباس ماتم پہنا، صدائے نوحہ وگریہ بلند ہوئی، اور یزید کے گھر میں تین روز تک ماتم رہا۔''

اسی طرح ناسخ التواریخ ص ۲۷۸ اور منہج ص ۳۲۸ میں بھی اس ماتم کا ذکر ہے، بلکہ جلاء العیون ص ۵۲۷ میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ خود یزید نے اپنی بی بی کو نوحہ وزاری کرنے کا حکم دیا اور کہا ''ابن زیاد نے انکے بارے میں جلدی کی، میں انکے قتل پر راضی نہ تھا۔''

یزید کے حالات سے کم وبیش ہر مسلمان واقف ہے، اسلئے اسکی نسبت کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ معز الدولہ دیلمی جس نے شیعی مؤلف کے لکھنے کے مطابق پہلے پہل بغداد میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے تین سو برس بعد دسویں محرم کو مخصوص طور پر حکومت کے زور سے ماتم کرایا، اس سے عوام کم واقف ہیں اسلئے بتایا جاتا ہے کہ وہ نہایت غالی شیعہ بلکہ تبرائی رافضی تھا (دیکھو تاریخ الخلفاء ص ۲۷۵)۔ اور اسکا شیعہ ہونا شیعوں کو بھی مسلم ہے (دیکھو تلخیص مرقع کربلا ص ۷۸-۷۹ مصنفہ مولوی سید اعجاز حسین شیعی)۔

اسی طرح المعز لدین اللہ جس کو شیعی مؤلف نے فاطمی لکھا ہے اور جس نے مصر میں رسم ماتم کی بنیاد ڈالی تھی، وہ ایک مجوسی النسل بے دین رافضی تھا (دیکھو تاریخ الخلفاء ص ۳)۔

جس رسم کی بنیاد یزید نے ڈالی ہو اور معز الدولہ والمعز لدین اللہ نے اس کو ترقی دی ہو، ظاہر ہے کہ ایک غیر تمند سنی کو اس سے جس قدر بھی نفرت ہو کم ہے، یہی وجہ ہے کہ، مصر، شام اور ایران وافغانستان وغیرہ میں یہ رسم صرف شیعہ ادا کرتے ہیں، جیسا کہ شیعی مؤلف نے ص ۱۹ میں خود اسکو تسلیم کیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں جب تک تشیع ورفض کی گرم بازاری نہ تھی، تعزیہ کا تو ذکر ہی کیا ہے ماتم ونوحہ بھی نہ ہوتا تھا۔

ہمایوں کے زمانہ میں بھی ماتم کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں، لیکن اگر ہوتا رہا ہو تو اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ اس وقت ایرانی شیعہ ہندوستان میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور ایرانیوں کی امداد کی وجہ سے ہمایوں بھی ان شیعوں کی دلدہی کرتا تھا، چنانچہ شیعی مؤلف کے رسالہ میں بھی اس کے اشارات پائے جاتے ہیں (دیکھو ص ۳۴)۔

اسی طرح جہانگیر کے زمانہ میں بھی اگر عزاداری ہوئی تو یہ صرف نور جہاں کا اثر تھا، جو عقیدتاً شیعہ تھی جیسا کہ مؤلف کو بھی تسلیم ہے (دیکھو ص ۳۵)۔

بہر حال اب تک تھوڑی بہت جہاں یہ رسم ہوتی تھی، صرف شیعوں کے ساتھ مخصوص تھی، سنیوں کی شرکت کا کوئی ثبوت نہیں ہے، ہاں جب وہ زمانہ آیا جب بقول مؤلف تمام اطراف ہند میں شیعہ حکمراں تھے، اس وقت ان حکمرانوں نے حکومت کے زور سے تعزیہ داری و ماتم کی ترویج کی، اور سنیوں کو بھی بجبر و اکراہ تعزیہ دار بنایا، جیسا کہ ص ۳۸ و ص ۳۹ کی عبارت اسکی غمازی کر رہی ہے۔

یہ تو ابھی صرف گریہ و ماتم اور نوحہ وزاری کی تاریخ ہے، اب تعزیہ داری کو لیجئے تو یہ ایک ایسی بدعت ہے کہ ہندوستان کے سوا کسی جگہ کسی عہد میں اس کا نام و نشان نہیں پایا جاتا، اور ہندوستان میں بھی خود مؤلف کے بیان کے مطابق قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے زمانہ تک (یعنی نویں صدی ہجری تک) اس کا پتہ نہیں چلتا۔ تاریخیں، سفرنامے اور دوسرے مظان کل کے کل خاموش ہیں، تیمور لنگ کو اسکا موجد قرار دینا عامیانہ روایت پر مبنی ہے، مؤلف خود تصریح کرتا ہے کہ اس کا تاریخی ثبوت اب تک فراہم نہیں کیا جا سکا ہے (ص ۴۱)۔

اور مؤلف کا یہ لکھنا کہ "اس روایت کو تواتر کا درجہ دیا جا سکتا ہے" پرلے درجے کی جہالت اور بے حیائی ہے اگر ایسی ہی باتوں کو جو جہلا و عوام میں زبان زد

ہوں متواتر کہا جا سکتا ہے، تو یہ جتنے قصے اور کہانیاں جاہلوں میں مشہور ہیں، سب کو متواتر اور قابل یقین کہنا چاہئے۔

بہر حال عالمگیر کے زمانے سے پہلے تعزیہ کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا اور عالمگیر کے عہد میں صرف ایک تابوت بنانے کا ذکر جن صاحب نے کیا ہے، وہ غالی شیعہ تھے جیسا کہ مؤلف نے خود ہی لکھا ہے (دیکھو ص ۳۴ و ص ۳۹)۔

اور لطف یہ ہے کہ ان شیعہ صاحب نے بھی تابوت بنانے کو اوباشوں کا کام بتایا ہے، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ عالمگیر نے ان سب لغوتیوں کو بند کر دیا، لہذا خود مؤلف کے بیانات وتحقیقات کی ترتیب سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ یہی یقینی وقطعی بات ہے کہ تعزیہ بھی اسی منحوس دور کی ایک نامسُعود یادگار ہے، جس دور میں کہ بقول مؤلف تمام اطراف ہند میں شیعہ حکمراں تھے۔

ناظرین غور فرمائیں کہ شیعہ مؤلف نے ماتم وتعزیہ کی جو تاریخ بیان کی ہے اس میں شیعوں کے سوا کسی دوسرے کا نام نہیں آتا لیکن رسالہ کی تمہید میں لکھتا ہے کہ ''یہ رسوم فرقۂ اہلسنت سے زیادہ وابستہ ہیں۔'' یہیں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شیعوں کے مذہب میں سچائی کی کتنی قدر وقیمت ہے؟

شیعی رسالہ کا خلاصہ اور اس خلاصہ پر اپنا مختصر تبصرہ پیش کرنے کے بعد دل چاہتا ہے کہ آپ کو یہ بھی بتادوں کہ ایک شیعہ مصنف جب ایک غلط بات کو صحیح باور کرانا چاہتا ہے تو اسکے لئے اور کتنی غلط بیانیاں کرتا ہے اور کتنے مغالطے دیتا ہے۔

شیعہ مؤلف کی غلط بیانیاں اور مغالطے

۱:- شیعوں کی عام عادت ہے کہ سنیوں پر حجت قائم کرنے کے لئے وہ ابن الکلبی، ابن ابی الحدید اور محمد بن عقیل مصری کے اقوال پیش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ بار بار اعلان کیا جا چکا ہے کہ یہ تینوں شیعہ ہیں، ابن الکلبی کا رافضی ہونا تمام کتب رجال میں مصرح ہے، ابن ابی الحدید کا معتزلی شیعہ ہونا اور مشہور نمک حرام رافضی ابن العلقمی رافضی کا پروردۂ نعمت ہونا اور اسکی رضا جوئی کے لئے اس کا شرح نہج البلاغہ کو تصنیف کرنا خود اس کی کتاب سے واضح ہے، اسی طرح محمد بن عقیل کی رافضیت پر بھی اس کی کتاب شاہد عدل ہے، لہذا ان کی عبارتیں سنیوں کے سامنے پیش کرنا صریح مغالطہ وفریب ہے۔

۲:- مؤلف کا یہ لکھنا کہ "ستم رسیدوں کو یہ بھی اجازت نہ تھی کہ وہ فریاد کر سکیں"۔ صریح غلط بیانی ہی نہیں بلکہ اپنے مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی کی تکذیب بھی ہے، ملا باقر جلاء العیون ص ۵۳۱ میں لکھتے ہیں کہ "اہل بیت حسین نے یزید سے ماتم کرنے کی اجازت چاہی تو اس نے بخوشی اجازت دیدی۔" ایسا ہی شیعوں کی مستند کتاب منہج ص ۵۳۵ میں بھی ہے۔

۳:- شیعہ مؤلف کا یہ کہنا کہ "ظالم یزید نے مجبور ہو کر اپنی زوجہ کو گریہ کی اجازت دی تھی اور یہ کہ اموی خاندان کے مشہور افراد نوحہ غم پڑھتے تھے تو ظالم یزید کو برداشتہ خاطر سننا پڑتا تھا"۔ ملا باقر مجلسی کی اس تصریح کے بالکل خلاف ہے کہ "یزید نے خود ہی اپنی بی بی سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اور قریش کے بزرگ پر نوحہ

زاری کر''۔ نیز یہ کہ ''یزید کے ہاتھ میں رومال تھا، جس سے اپنے آنسو پونچھتا جاتا تھا'' (دیکھو جلاء العیون)۔

۴:۔شیعہ مؤلف کا یہ لکھنا کہ ''عبداللہ بن الزبیرؓ نے (۴۰) جمعوں تک نماز میں درود نہیں بھیجا، صریح جھوٹ ہے، ابن عقیل نے نماز کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ خطبہ میں درود نہ پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔

اور ابن عقیل کا یہ بیان بھی جھوٹا ہے، اس لئے کہ اس کا راوی ابن الکلبی ہے، جیسا کہ ابن ابی الحدید نے تصریح کی ہے، اور ابن الکلبی کی رافضیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

دوسری دلیل اس بیان کے جھوٹے ہونے کی یہ ہے کہ صاحب عقد فرید نے بھی اس قصہ کو لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ ابن الزبیرؓ خطبہ میں درود آہستہ پڑھتے تھے۔

۵:۔مؤلف نے یہیں پر یہ مغالطہ بھی دینا چاہا ہے کہ ''ابن الزبیرؓ کی پہلے تو یہ حالت تھی لیکن جب واقعۂ کربلا سنا تو منبر پر حسینؓ کے فضائل بیان کئے''۔ حالانکہ اگر درود نہ پڑھنے کے قصے کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو وہ اس وقت کا قصہ ہو سکتا ہے جب ابن الزبیر خلیفہ ہوئے ہیں، اور ان کی خلافت کا زمانہ شہادت حسین کے بعد ہے، مؤلف کو یہ خبر ہی نہیں کہ اس زمانے میں جمعہ کا خطبہ خلیفہ یا اس کے عمال کے سوا دوسرا نہیں دے سکتا تھا۔ لہذا ابن الزبیرؓ کا جمعہ پڑھانا اور اس کا خطبہ دینا اسی وقت ممکن ہے جب وہ خلیفہ ہوئے ہیں۔

۶:۔عروہ بن زبیرؓ پر یہ اتہام کہ وہ علیؓ و اولاد علیؓ کا نام سن کر غصے میں کانپنے لگتے تھے۔ ابن ابی الحدید کا بیان ہے، اور ابن ابی الحدید کا حال معلوم ہو چکا ہے، پھر اس نے بھی اس کو اپنے سے بدتر اشخاص کی زبانی نقل کیا ہے، اس اجمال کی تفصیل

کے لئے دیکھو میرا رسالہ بجواب "رجال بخاری" زیرِ عنوان "عروہ بن زبیرؓ"۔

۷:۔ مؤلف کا یہ لکھنا کہ "گروہ گریہ کن (توابین) کربلا کے مظالم یاد کر کر کے روئے تھے اور جذبۂ انتقام سے ان کی تلواریں بے نیام ہوئی تھیں"۔ قاضی نور اللہ شوستری کے بیان کے بالکل خلاف ہے، ان کا بیان یہ ہے کہ انھیں توابین نے حضرت حسین کو بلا کر دغا کی تھی اور حضرت کو شہید کروانے کے بعد غداری و بیوفائی کا دھبہ مٹانے کے لئے روتے دھوتے تھے، قاضی صاحب مجالس المومنین میں لکھتے ہیں:

چوں طائفہ کوفیاں با مسلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و نوبت شہادت امام حسین رسانیدند سلیمان (سرخیل توابین) بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشتِ حسرت بدنداں گرفتہ بر خود نفریں میکرد کہ خسران دنیا و آخرت نصیب ما شد کہ بعد ازاں کہ امام حسین را طلب داشتیم تیغ بر روئے او کشیدیم تا از بیوفائی ما رسید باو انچہ رسید (الی قولہ) مسیّب بن نخبہ کہ مصحوب عمر سعد بکربلا رفتہ بود آغاز سخن کردہ گفتند خدائے تعالیٰ ما را بطول عمر مبتلا گردانید تا در انواع فتنہا افتادیم و با امور نا شایستہ متہم گشتیم

جب کوفیوں کے گروہ نے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے غداری کی اور امام حسین کی شہادت کی نوبت پہونچائی۔ سلیمان جو اس گروہ کا سرغنہ تھا چند مہینوں کے بعد متنبہ ہوا تو دانتوں تلے انگلی دباتا تھا اور اپنے اوپر نفرین کرتا تھا کہ دنیا وآخرت کی بربادی ہمارے حصہ میں آئی، ہم نے امام حسین کو بلا کر ان کے گلے پر تلوار چلائی، ہماری ہی بیوفائی سے پہونچا ان کو جو کچھ پہونچا۔ مسیّب بن نخبہ جو عمر سعد کے ساتھ کربلا گیا تھا بولا کہ خدائے تعالیٰ نے ہم کو درازی عمر میں مبتلا کیا یہاں تک کہ مختلف فتنوں میں ہم پڑے اور بڑی بڑی نالائق باتیں

اکنوں از اعمال سیۂ خویش نادم گشتہ	ہم سے سرزد ہوئیں، اب ہم اپنے
میخواہیم کہ دست دردامنِ توبہ	بداعمال سے پشیمان ہوکر چاہتے ہیں کہ
وانابت زنیم۔	توبہ وانابت کا دامن تھامیں۔

مؤلف کو معلوم ہونا چاہئے کہ غالبؔ دہلوی نے انھیں توابین کے باب میں کہا تھا ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

شیعہ مؤلف کا ایک مغالطہ یہ بھی ہے کہ حریری نے ایک نظم میں قافیہ کی رعایت سے ایک مصرعہ ''جل لدی المسلمین رُزء الحسین ''نظم کر دیا، تو شیعہ مؤلف نے اس کو بھی ارشادات ''ائمہ معصومین'' کی طرح ایک اٹل بات یا تاریخی حقیقت سمجھ کر اپنے مدعا کی دلیل بنالیا، یہ نہ سمجھا کہ شاعرانہ قافیہ بندیوں سے تاریخی حقائق ثابت نہیں ہوتے۔

۹:-ایک مغالطہ یہ بھی ہے کہ اپنے رسالہ کا نام تو وہ رکھتا ہے ''عزاداری کی تاریخ اور اس کا اثبات سنی نقطۂ نظر سے'' اور جگہ جگہ نقطۂ نظر پیش کرتا ہے شیعہ مصنفین کا۔ چنانچہ ص ۱۲ میں کاظم زادہ کی عبارت اور ص ۱۳ میں حدائق الوردیہ کی عبارت اور ص ۱۴ میں ابوعبداللہ زنجانی کی عبارت نقل کی ہے۔

۱۰:-شیعہ مؤلف کا ایک مغالطہ یہ بھی ہے کہ اس نے یہ لکھ کر کہ:

''سرزمین شام میں بھی عشرۂ محرم کو کافی اظہار حزن واندوہ کیا جاتا تھا'' (۱۶) مولانا روم کی مثنوی کے وہ اشعار تو نقل کئے جن میں حلب کے صرف شیعوں کا ماتم کرنا مذکور ہے، لیکن ان اشعار کے بعد ہی مولانا نے اس ماتم کا جو رد لکھا ہے اور اس کو نہایت احمقانہ فعل ثابت کیا ہے اس کو ہضم کر گیا، ہم نے وہ اشعار اپنے اس رسالے کے آخر

میں نقل کر دیئے ہیں، وہاں ملاحظہ کئے جائیں۔

۱۱:۔شیعہ مؤلف کا سب سے بڑا مغالطہ وفریب یہ ہے کہ بعض بزرگوں کے ملفوظات (جو ان کے بعض گمنام اور حلیۂ تحقیق وعلم سے عاری مریدوں نے جمع کئے ہیں) سے ایک بے سروپا مضمون۔۔جس کو ایک معمولی درجہ کا ذی علم بھی سنتے ہی غلط کہہ دے گا۔نقل کرتا ہے اور ایسے وثوق سے نقل کرتا ہے جیسے اس کے ''ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم'' کی کوئی حدیث ہو، یا بالکل محقق کوئی تاریخی بات، مثلاً شاہ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی کے ملفوظات سے نقل کرتا ہے کہ جب شمر بد بخت سینۂ مبارکِ امام حسین پر ذبح کرنے کے لئے سوار ہوا، تو ایک شخص نے پوچھا کہ کیا تو فرزند رسول کے مرتبہ سے ناواقف ہے جو یہ ارادہ کر رہا ہے، یہ سن کر اس مردود نے اپنے عمامہ کو سر سے اتارا اور اس میں سے ایک فتویٰ کا کاغذ نکال کر دکھلایا، جس میں دوسو علمائے وقت نے امام مظلوم کے قتل پر فتویٰ دیا تھا، ان سب علماء کی اس پر مہریں ثبت تھیں، مولانا نے فرمایا کہ اکثر قدیمی کتابیں انھیں علماء کی تصانیف سے ہیں (ص ۲۰، ۲۱)۔سبحان اللہ کتنی ''انوکھی تحقیقات'' ہیں! اور آج کل کے شیعہ مؤلفین کتنے سادہ لوح ہیں کہ ایسی بے سروپا باتیں نقل کرتے ہوئے ان کو شرم نہیں آتی، پھر کتنے نادان دوست ہیں وہ مرید جو ایسی غلط سلط باتیں اپنے مشائخ کرام کی طرف بے دھڑک منسوب کر دیتے ہیں۔

شیعہ مؤلف کی جہالت یا ڈھٹائی دیکھئے کہ اس بیان کو نقل کر کے خاموش ہو جاتا ہے، بلکہ اس بیان کو معرض احتجاج میں نقل کرتا ہے، اور اس طرح اس کو بالکل صحیح باور کرتا یا کراتا ہے، حالانکہ تاریخ کا ایک ابجد خواں بھی جانتا ہے کہ:

۱:۔حضرت حسینؓ کو ذبح کرنے کی ملعون حرکت شمر سے نہیں بلکہ سنان نخعی

سے صادر ہوئی تھی (دیکھو خطط مقریزی ج ۲ ص ۲۸۸)۔

۲:- حضرت حسینؓ کا واقعہ ۶۱ھ کا ہے اور اس وقت تک تحریری استفتاء یا محضر نامہ لکھنے لکھوانے کا دستور ہی نہیں تھا۔

۳:- تاریخ کی کسی ایک کتاب میں کسی ایک عالم کا بھی ایسا فتویٰ دینا مذکور نہیں ہے۔

۴:- حضرت حسینؓ کے واقعہ کے بہت بعد تک تصنیف وتالیف کی ابتدا بھی نہیں ہوئی تھی، لہذا اکثر قدیمی کتابیں کیا ایک قدیم کتاب بھی شیعہ مؤلف کے مفروضہ علماء کی تصنیف نہیں ہو سکتی، مورخین کی تصریحات کے مطابق تو ۱۴۳ھ سے تصنیف وتالیف کی ابتدا ہوتی ہے۔

بہر حال ایسے بے سروپا افسانوں کو شیعوں ہی کی عقل صحیح باور کر سکتی ہے۔

۱۲:- حارث بن مرۃ العبدی کی نسبت یہ لکھنا کہ "وہ شیعی مسلمان تھا" ایک بے دلیل دعویٰ ہے، نیز اس کو فاتح سندھ بتانا بھی فریب ہے، واقعہ صرف اتنا ہے کہ وہ سندھ آیا، کفار سے لڑا، پہلی لڑائی میں اسے کامیابی ہوئی، لیکن پھر اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوا۔

۱۳:- یہ لکھنا کہ "دت قوم کے چند برہمنوں نے حضرت حسین پر اپنی جانیں فدا کیں ان میں سے جو بچ رہے ہندوستان آئے" طلسم ہوشربا کی داستانوں سے زیادہ باوقعت نہیں ہیں، حضرت شہید مظلوم کے ساتھ شہید ہونے والے نام بنام تاریخوں میں مذکور ہیں، ان کی تعداد بھی درج ہے، اس فہرست میں کسی برہمن یا ہندوستانی کا نام موجود نہیں ہے۔

۱۴:- شیعہ مؤلف نے حضرت زین العابدین کی والدہ محترمہ کے ایرانی

ہونے کا دعویٰ تو اس زور سے کیا کہ تمام مورخین عرب وعجم اور علمائے انساب وسیرت نگار حضرات کے نزدیک اسی کو محقق بتایا، لیکن ثبوت میں ابن خلکان کے سوا کسی کا بھی نام نہیں لکھا، پھر ابن خلکان کی بھی عبارت نقل نہیں کی، ورنہ معلوم ہوجاتا کہ ابن خلکان کا بیان بھی تاریخی حیثیت سے قطعاً درخور التفات نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابن خلکان نے اس بات کو زمخشری کی کتاب ربیع الابرار کے حوالے سے نقل کیا ہے، زمخشری کی ربیع الابرار کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے، نہ کسی مورخ یا نساب کے حوالے سے انھوں نے اس کو لکھا ہے، شیعوں کو یہ کون سمجھائے کہ تاریخی امور میں تاریخ ہی کے ماہروں کی شہادت قابل سماعت ہوسکتی ہے، قصہ کہانی یا ادبی کتابوں سے تاریخی امور ثابت نہیں ہوسکتے۔

۱۵:- شیعہ مؤلف نے ص ۲۸ میں امام جعفر صادق کے چند سندھی شاگردوں کے نام لکھ کر دعویٰ کیا ہے کہ "یقیناً یہی لوگ ہندوستان میں شیعیت کا سبب ہوسکتے ہیں" لیکن یہ صریح مغالطہ ہے، اسلئے کہ اولاً تو ان میں سے بعض سرے سے سندی یا ہندی ہی نہیں ہیں، مثلاً طلحہ بن زید ابوالخزرج کہ وہ نہدی (قبیلہ نہد کے ایک فرد) ہیں، مؤلف نے ازراہ فریب نہدی کو ہندی لکھ دیا، حالانکہ وہ ہندی نہیں بلکہ شامی یا جزری ہے، دیکھو شیعوں کی مستند کتاب رجال نجاشی (ص ۱۴۶)۔

ثانیاً:- جو سندی ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ سند سے انتقال مکانی کر کے کہیں اور آباد ہوگئے تھے، مثلاً خلاد سندی کہ وہ کوفہ کے باشندہ ہوگئے تھے، جیسا کہ رجال نجاشی ص ۱۱۱ سے ظاہر ہے، لہذا جب تک مؤلف ان کا سند واپس آنا ثابت نہ کرے، اس کا مدعا ثابت نہیں ہوسکتا۔

ثالثاً:- ابھی ان کا شیعہ ہونا بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ بعض کی نسبت تو خود

شیعوں نے تصریح کی ہے کہ وہ سنی ہیں، جیسے طلحہ بن زید کہ ان کی نسبت نجاشی نے لکھا ہے ''عامی''یعنی وہ سنی ہے۔ (رجال نجاشی ص ۱۴۶ مطبوعہ بمبئی)

۱۶:-شیعہ مؤلف کا یہ لکھنا کہ ''چھٹی صدی ہجری کی ابتدا میں اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ عشرۂ محرم میں تذکرہ کیا جاتا تھا'' (ص ۲۸) غلط بیانی ہے اس لئے کہ طبقات ناصری کی جو عبارت اس مقام پر نقل کی ہے اس میں ''تذکرہ'' نہیں بلکہ ''تذکیر'' کا بیان ہے، یعنی یہ کہ عشرۂ محرم میں وعظ ہوتا تھا (جیسا کہ لکھنؤ میں آج بھی حضرات اہل سنت وعظ کے جلسے کرتے ہیں)

۱۷:- بابا رتن ہندی کی نسبت یہ لکھنا کہ ان کی صحابیت کی توثیق اکثر اکابر اہل سنت نے کی ہے (ص ۲۹) سراسر غلط ہے، صحابیت کی تو اکثر کیا تمام محدثین اہل سنت نے تکذیب کی ہے (مثلاً ذہبی، قاضی ابن جماعہ، ابن حجر وغیرہم دیکھو لسان المیز ان ص ۴۵۰ تا ص ۴۵۵ اور تقصار ص ۶۲ اور حیات جلیل ص ۱۸۶ اور تاریخ محمدی قلمی اور مجمع البحار ص اور معارف نمبر ۱ ج ۴۹) ہاں اتنی بات کو بعض بعض حضرات نے صحیح تسلیم کیا ہے کہ اس نام کا ایک شخص تھا، عمر اس کی بہت تھی لیکن نہ اتنی جتنی مشہور کی جاتی ہے، اور وہ شخص نہ صحابی تھا نہ تابعی، اسی طرح حدیثیں جو اس کے نام سے بیان کی جاتی ہیں، ان کو بھی سب محدثین اہل سنت جعلی اور موضوع قرار دیتے ہیں (دیکھو تذکرۃ الموضوعات)۔

مجدالدین فیروزآبادی صاحبِ قاموس کی نسبت یہ لکھنا کہ وہ رتن کی صحابیت کی توثیق کرتے ہیں، سفید جھوٹ ہے، انھوں نے صرف رتن کے وجود کو تسلیم کیا ہے (دیکھو تذکرۃ الموضوعات ص ۱۰۶ و مجمع البحار ص)۔

شیعہ مؤلف نے اس جھوٹ کو ص ۹۶ میں دہرایا ہے، اور صاحبِ قاموس

کے ساتھ اور بھی کئی نام لکھے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ اکثر نام از راہ فریب لکھے ہیں، اس لئے کہ انھوں نے صحابیت کی توثیق نہیں کی ہے، بلکہ رتن کا صرف ذکر کیا ہے، اور بعض نے صاف طور سے نا قابل وثوق قرار دیا ہے، مثلاً اقشہری (دیکھو تذکرۃ الموضوعات ص ۱۰۶)۔

شیعہ مؤلف کے دعویٰ کا جھوٹا ہونا بڑی آسانی سے ظاہر ہو جائے گا اگر وہ ان لوگوں کی اصل عبارتیں پیش کر دے، جن کے نام اس نے ص ۹۶ میں لکھے ہیں، کیا ہے کسی شیعہ میں ہمت کہ مؤلف کو اس کے لئے آمادہ کر سکے۔

شیعہ مؤلف کی یہ غلط بیانیاں اور مغالطے بطور نمونہ کے پیش کئے گئے ہیں استیعاب مقصود نہیں ہے ورنہ اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جاتیں، اتنا گزارش کرنے کے بعد اب میں ناظرین کو شیعی رسالہ کے دوسرے حصے کی سیر کرانا چاہتا ہوں۔

حصہ دوم پر بحث ونظر

شیعہ مؤلف نے اس حصہ کو ان عنوانات سے شروع کیا ہے:

''عاشوراء محرم کو خوشی منانے کے متعلق تمام روایتیں موضوع ہیں''

''سوائے یوم غم ہونے کے اس دن کی اور کوئی فضیلت نہیں ہے''

پہلا عنوان تو خیر ایک حد تک درست ہے، لیکن دوسرا عنوان سراسر مغالطہ اور فریب ہے، اس لئے کہ سنی کتابوں کی جو عبارتیں آگے نقل کی ہیں، ان میں اس مضمون کا اشارہ تک نہیں ہے، اسی طرح دوسری کتابوں میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف مذکور ہے، چنانچہ ما ثبت بالسنۃ ص ۷، اور مشکوٰۃ ص ۱۷۳ بخاری ص ۲۶۸ مسلم ص ۳۵۹ ج ا وغیرہ میں عاشورائے محرم کی یہ فضیلت مذکور ہے کہ اسی دن اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات بخشی، اور اسی دن فرعون کو غرق آب کیا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا، اور آنحضرت ﷺ بھی اس دن روزہ رکھنے کی بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے، اور خود بھی کبھی اس دن کا روزہ ترک نہیں فرماتے (نسائی ص......)، بلکہ ابو داؤد میں آنحضرت ﷺ کی یہ تصریح موجود ہے: **فنحن نصومه تعظیماً له** یعنی ہم اس دن کی عظمت کی وجہ سے اس کا روزہ رکھتے ہیں، مسلم ص...... وغیرہ میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عاشوراء کے روزے سے ایک سال گذشتہ کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اسی دن کعبہ کو غلاف بھی پہنایا جاتا تھا، حافظ ابن حجر نے

اس مقام پر حضرت باقر رحمہ اللہ و رضی عنہ (جن کو شیعہ امام معصوم کہتے ہیں) کا بیان نقل کیا ہے کہ ہمارے زمانہ تک یہ دستور موجود تھا (دیکھو فتح الباری ص ۲۹۲ ج ۳)۔

سنی کتابوں میں جس طرح یوم عاشوراء کے فضائل مذکور ہیں اسی طرح یہ بھی مصرح ہے کہ اس کو یوم غم بنانا جائز نہیں ہے اور یہ کہ اس کو یوم غم مقرر کرنا رافضیوں کی بدعت ہے۔

(۱)

علامہ شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیتمی صواعق محرقہ ص ۱۰۹ میں تحریر فرماتے ہیں:

وایاہ ثم ایاہ ان یشغلہ ببدع الرافضۃ و نحوھم من الندب والنیاحۃ و الحزن اذ لیس ذلک من اخلاق المومنین و الا لکان یوم وفاتہ ﷺ اولیٰ بذلک و احریٰ، او ببدع الناصبۃ المتعصبین علی اھل البیت او الجھال المقابلین الفاسد بالفاسد و البدعۃ بالبدعۃ و الشر بالشر من اظھار غایۃ الفرح السرور و اتخاذہ عیداً

اور اپنے کو بچائے پھر بچائے اس بات سے کہ اس دن کو رافضیوں وغیرہم کی بدعتوں سے مشغول رکھے، یعنی مرثیہ نوحہ اور غم سے، کیونکہ یہ مومنوں کے اخلاق سے نہیں ہے، ورنہ آنحضرت ﷺ کا یوم وفات اس کا زیادہ مستحق ہوتا، اسی طرح ان ناصبیوں کی بدعتوں سے اس کو مشغول نہ رکھے جن کو اہل بیت سے تعصب ہے یا وہ جاہل جو فاسد کا فاسد سے اور بدعت کا بدعت سے اور برائی کا برائی سے مقابلہ کرتے ہیں، یعنی انتہائی خوشی ظاہر کرنا اور اس دن کو عید بنانا۔

شیعہ مؤلف کی شرمناک حرکت

ناظرین یہ سن کر انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ شیعہ مؤلف نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے، لیکن کارروائی یہ کی ہے کہ ہم نے عبارت کے جس جس حصے پر خط کھینچ دیا ہے شیعہ مؤلف نے اسی کو لیا ہے اور درمیان کی سطریں بالکل غائب کردی ہیں جن میں یہ تصریح تھی کہ عاشوراء کے دن میں مرثیہ خوانی، نوحہ اور غم رافضیوں کی بدعت ہے ایمان داروں کا کام نہیں ہے

دوسری کارروائی یہ کی کہ **المقابلین الفاسد بالفاسد** کے ترجمہ میں تحریف کر ڈالی تا کہ معلوم نہ ہو سکے کہ نوحہ وغیرہ بھی فاسد بدعت اور شر ہے، شیعہ مؤلف ترجمہ کرتا ہے کہ:

''فاسد کو فاسد سے.......بھڑاتے ہیں''

حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''فاسد کا فاسد سے مقابلہ کرتے ہیں'' مطلب یہ ہے کہ رافضی اس کو یوم غم بناتے ہیں تو یہ جاہل اس کو یوم سرور بناتے ہیں حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔

(۲)

سید شریف سمہودی (المتوفی ۹۱۱ھ) (۱) کا قول علامہ حیات سندی نقل فرماتے ہیں:

ولا یتخذہ للندب و النیاحۃ و الحزن کفعل الجھلۃ اذ لیس	یوم عاشوراء کو مرثیہ خوانی، نوحہ اور غم کے لئے نہ مقرر کرے جیسے جاہل

(۱) کمافی النور السافر ۱۲

ذلک من اخلاق اهل البیت النبوي(الی قوله) و اماما یحکي عن الرافضة من تحریم لحوم الحیوانات الماکولة یوم عاشوراء حتیٰ یقرأون کتاب مصرع الحسین رضی اللہ عنہ فمن الجهالات و الاضحوکات لا یفتقر في ابطالها الیٰ دلیل (الرکضة في ظهر الرفضة قلمی)

کرتے ہیں اس لئے کہ یہ اہل بیت کے اخلاق سے نہیں ہے،....اور یہ جو رافضیوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس دن حلال جانوروں کا گوشت کھانا حرام سمجھتے ہیں اور شہادت حسین کی کتاب پڑھتے ہیں تو یہ ایسی جہالت اور ہنسی کی بات ہے کہ اس کے ابطال کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''ما ثبت بالسنۃ'' میں شیخ ابن حجر کا سابق الذکر کلام نقل کر کے کچھ کلام نہیں کیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان کو بھی اس سے اتفاق ہے۔

(۴)

علامہ محدث محمد طاہر فتنیؒ ''مجمع البحار'' ص ۵۵۰ ج ۳ میں لکھتے ہیں:

و قد نصوا علی کراهیته (تجدید الماتم) کل عام في سیدنا الحسین مع انه لیس له اصل في امهات البلاد الاسلامیة

علماء نے تصریح کی ہے کہ ہر سال جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم کیا جاتا ہے شرعاً مکروہ ہے اور خاص اسلامی شہروں میں اس کی کچھ بنیاد نہیں ہے۔

(۶،۵)

ابوالرجا مختار بن محمود زاہدی، برہان الدین بخاری سے نقل کرتے ہیں (دیکھو مجموعۃ الفتاویٰ ص ۱۲۱ ج ۱):

خرق القاص ثيابه في مقتل الحسين يوم عاشوراء تاسفاً على المصيبة و امرهم بالقيام والتشييع فهل يجب على الولاة ان يزجروا فكتب برهان الدين يمنع ذلك	عاشوراء کے دن قصہ خواں کا رنج ظاہر کرنے کے لئے شہادت حسین کے بیان، کپڑے پھاڑ ڈالنا، اور لوگوں کو حکم دینا کہ کھڑے ہو جائیں، اور متابعت کریں، کیا حاکموں پر واجب ہے، کہ ان کاموں پر زجر و توبیخ کریں، تو برہان الدین نے لکھا کہ ہاں ان باتوں سے روکا جائے۔

(۷)

ملا احمد رومی مجالس الابرار میں تحریر فرماتے ہیں:

القاص الذی یذکر الناس قصة القتل یوم عاشوراء ویخرق ثوبه و یکشف رأسه ویامرهم بالقیام والتشییع تاسفاً علی المصیبة یجب علی ولاة الدین ان یمنعوهم والمستمعون لا یعذرون فی الاستماع.	اور قصہ خواں جو عاشوراء کے دن شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور اپنے کپڑے پھاڑتے ہیں اور ننگے سر ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو حکم کرتے ہیں کہ کھڑے ہو جائیں، اور پیروی کریں رنج ظاہر کرنے کے لئے، تو دین کے حاکموں پر واجب ہے کہ ان کو روکیں اور سننے والے بھی سننے میں معذور نہ ہوں گے

پھر فرماتے ہیں:

فمن جملتها ما ابتدعه كثير من الناس يوم عاشوراء فجعلوه ماتما يظهرون فيه النياحة والجزع و تعذيب النفوس من المنكرات المنهى عنها بكتاب الله و سنة رسوله و اتفاق المسلمين.

انھیں باتوں سے وہ ہے جو بہت سے لوگوں نے دسویں محرم کے دن ایجاد کیا ہے پس اس دن کو ماتم کا دن بنایا ہے، اس دن نوحہ کرتے ہیں، رونا پیٹنا اور جانوں کا تکلیف دینا ان بیہودہ باتوں میں سے ہے، جو از روئے قرآن وحدیث واجماع اہل اسلام ممنوع ہیں۔

(۸)

علامہ حیات سندی ثم المدنی المتوفی ۱۱۶۳ھ الركضة في ظهر الرفضة (اس رسالہ کا قلمی نسخہ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے کتب خانہ میں موجود ہے اور میں نے اسی سے یہ عبارت نقل کی ہے) میں فرماتے ہیں:

من قبائح هولاء الرافضة انهم يتخذون يوم موت الحسين رضي الله عنه ماتماً فيتركون الزينة ويظهرون الحزن والنوائح يبكين ويصورون صورة قبر الحسين رضي الله عنه ويزينونها و يطيفون بها في

رافضیوں کی برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن کو ماتم کا دن بناتے ہیں، زیب و زینت ترک کردیتے ہیں، غم کا اظہار کرتے ہیں، نوحہ گر عورتیں روتی ہیں، حضرت حسینؓ کی قبر کی مثال بنا کر اس کو سنوارتے ہیں اور

السكك و يقولون يا حسين	یا حسین یا حسین کہہ کر چلاتے ہیں اور ناجائز
يا حسين ويسرفون في ذلك	اسراف (یعنی بیجا روپیہ صرف کرتے
اسرافاً محروماً و كل ذلك بدعة	ہیں) اور یہ سب باتیں بدعت ہیں

(۹)

علامہ مقریزی المتوفی ۸۴۵ھ اپنی مشہور کتاب ''الخطط'' میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ ملوک فاطمی یوم عاشوراء کو یوم غم بناتے تھے، اور ملوک بنی ایوب نے ان کے جواب میں اس کو یوم سرور بنایا، لکھتے ہیں:

و كلا الفعلين غير جيد و الصواب	یہ دونوں کام درست نہیں ہیں
ترك ذلك و الاقتداء بفعل	صواب یہ ہے کہ دونوں کو ترک کیا
السلف (ج/ ا ص ۳۸۵)	جائے اور سلف کی پیروی کی جائے۔

سنی کتابوں کی یہ چند عبارتیں تمثیل کے طور پر پیش کی گئیں، ایسی ساری عبارتوں کا استقصاء مدنظر نہیں ہے، میرا مقصود صرف اتنا ہے کہ شیعہ مؤلف نے جو یہ دعوی کیا ہے کہ سنی نقطۂ نظر سے یوم عاشوراء کی یوم غم ہونے کے سوا کوئی اور فضیلت نہیں ہے، اس کے دونوں جز غلط ہیں، صحیح یہ ہے کہ:

ا:- سنی نقطۂ نظر سے اس دن کا یوم غم ہونا بالکل بے بنیاد ہے بلکہ اظہار غم کی ممانعت ہے۔

۲:- سنی نقطۂ نظر سے اس دن کی بڑی فضیلت ہے، شیعہ مؤلف نے جو عبارتیں نقل کی ہیں اگر ان میں کتر بیونت نہ کرتا اور اس نے ان کے ترجموں میں تحریف نہ کی ہوتی تو خود انہیں عبارتوں سے ہمارا دعوی روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا۔

تنبیہ ضروری

روز عاشوراء کے متعلق صحیح وحسن احادیث میں جو وارد ہوا ہے اس کو ہم ذکر کر چکے ہیں، اس کے علاوہ اور جتنی باتیں بیان کی جاتی ہیں ان میں سے کوئی بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی ہے بجز "**توسعہ علی العیال**" کے کہ اس کی حدیث کو بعض لوگوں نے موضوع کہا ہے، مگر دوسرے محدثین نے اس کو حسن قرار دیا ہے، اور یہی صحیح ہے، لیکن اس کا منشاء اظہار سرور نہیں ہے جیسا کہ شیعی مؤلف سمجھ رہا ہے۔

توسعہ علی العیال والی حدیث کی صحت حافظ سیوطی نے (الدرر المنتشرہ مطبوعہ مصر) میں اور عجلونی نے مزیل الخفاء والالباس میں اور علامہ سید ابن عابدین نے ردالمحتار ج۲ص میں تسلیم کی ہے۔

حضرت سید اشرف جہانگیر کچھوچھوی قدس سرہ کا ارشاد گرامی

چونکہ شیعہ مؤلف نے اپنے رسالہ کی تمہید میں ناواقف سنیوں کو دھوکہ دیا ہے کہ جب تک علمائے احناف اور صوفیائے کرام کا زور رہا ہے ''تعزیہ داری'' کو برابر ترقی ہوتی رہی ہے، اس لئے اس مقام پر روز عاشوراء کے متعلق ہندوستان کے مشہور ولی وصوفی حضرت سید اشرف جہانگیر قدس سرہ کی ہدایات کا پیش کردینا نہایت ضروری ہے، فرماتے ہیں: ''در روز عاشوراء باید کہ ایں دہ چیز نگاہ دارد: غسل ونماز وروزہ وسرمہ ومسح سر یتیم وصلح اعداء ووسعت طعام برائے عیال وزیارت مقبرہا وعیادت مریض (لطائف اشرفی ص ۲۲۹) دیکھئے حضرت موصوف دسویں محرم کو بی بی بچوں کے لئے بافراط کھانا پکانے کی تاکید کرتے ہیں، نیز سرمہ لگانے کی تاکید فرماتے ہیں، اب شیعہ مؤلف سے سوال ہے کہ کیا حضرت سید موصوف بھی معاذ اللہ دشمن اہل بیت تھے، حضرت موصوف کے اس ارشاد سے ان کے مرید قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی اس تحریر کا بھی جواب ہو گیا جو شیعہ مؤلف نے ہدایۃ العداء سے اپنے رسالہ کے ص ۶۷ تا ص ۷۰ میں نقل کی ہے، ہماری یہ گفتگو بر سبیل الزام ہے ورنہ ہم اپنا اصلی مسلک اوپر لکھ چکے ہیں۔

جب حنفی اور شافعی محقق علماء کی تصریحات سے ثابت ہو چکا کہ یوم عاشوراء کو یوم غم بنانا رافضیوں کا شیوہ ہے تو آج کل کے بعض نام نہاد مولویوں کا اس کو غم والم کا

دن کہنا محض جاہلانہ یا رافضیانہ خیال ہے، کتب معتبرہ اہل سنت میں ان کے اس خیال کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔

مسند احمد کے حوالہ کی تحقیق بعض ناواقف سنی حضرت حسینؓ پر رونے کے ثبوت میں مسند احمد کا نام لیتے ہیں، حالانکہ مسند احمد میں اس مضمون کی کوئی ایک حدیث بھی نہیں ہے، چنانچہ خود ہمارا شیعہ مؤلف بھی اس کو تسلیم کرتا ہے (ص ۸۸)۔

دراصل اس غلطی کی بنیاد یہ ہے کہ ملا مبین رحمہ اللہ نے وسیلۃ النجاۃ میں اس فرضی حدیث کے لئے مسند احمد کا حوالہ دے دیا، بعد والوں نے آنکھ بند کر کے اس کو نقل کرنا شروع کر دیا، حالانکہ ملا صاحب سے یہاں بھول ہو گئی ہے، ان سے پہلے جن لوگوں نے اس فرضی حدیث کو لکھا ہے امام احمد کے مناقب کے حوالے سے نقل کیا ہے، جیسا کہ خود شیعی مؤلف کی نقل کردہ عبارات سے ثابت ہوتا ہے (دیکھو ص ۸۹)

ہر واقف کار جانتا ہے کہ مسند احمد ابواب کی ترتیب پر نہیں ہے لہذا اس میں مناقب کا باب یا کوئی دوسرا باب کیسے ہو سکتا ہے، کتاب المناقب ان کی کوئی دوسری کتاب ہوگی۔

ثانیاً:- مناقب کے حوالے سے بھی جن لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے ان لوگوں نے اس کو حدیث نہیں کہا ہے، بلکہ حضرت حسنؓ یا حسینؓ کا قول کہا ہے (دیکھو شیعی مؤلف کی نقل کردہ عبارت ص ۸۹) لہذا بعض نادان سنیوں کا اس کو حدیث کہنا جہالت ہے، حدیث نام ہے قول و فعل رسول اللہ ﷺ کا۔

ثالثاً:- اس قول میں بھی حضرت حسینؓ پر رونے یا دسویں محرم کو رونے کا خصوصیت سے ذکر نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ:

حسنؓ نے فرمایا کہ جن کی آنکھیں	كان حسن بن علي يقول من

دمعت عیناہ فینا دمعۃ او قطرت عیناہ فینا قطرۃ آتاہ اللہ عز وجل الجنۃ

ہمارے حق میں نم ہوگئیں یا آنسو کا ایک قطرہ ٹپک پڑا تو اللہ اس کو جنت عطا کرے گا۔

دیکھئے اس میں خصوصیت سے نہ قتل حسین پر رونے کا ذکر ہے، نہ عاشوراء کا ذکر ہے، نیز یہ تصریح ہے کہ حضرت حسنؓ کا قول ہے، اور لطف یہ ہے کہ خود شیعی مؤلف نے اس کو مرقاۃ کے حوالے سے ص ۸۹ میں نقل کیا ہے، لہذا اس کو حدیث کہہ کر دھوکہ دینا کتنا بڑا فریب ہے، نیز اس سے یہ ثابت کرنا کہ عاشوراء کے دن قتل حسینؓ پر رونا چلانا چاہئے، کتنا بڑا مغالطہ ہے۔

شیعی مؤلف نے بعینہ یہی قول رشفتہ الصاوی سے بھی نقل کیا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اس میں بجائے حضرت حسنؓ کے حضرت حسینؓ کا قول ہونا مذکور ہے۔

لہذا املامبین کی عبارت میں جو (بقتل الحسین) کا اضافہ ہے، وہ بھی ان کی بھول ہے، دوسرے کسی مصنف نے اس کو نقل نہیں کیا ہے، بلکہ خود شیعی مؤلف کے بیان کے مطابق محب الدین طبری کی روایت میں **من توجع لاھل البیت** ہے یعنی نہ اس میں رونے کا ذکر ہے نہ حضرت حسین کا، بلکہ مطلق اہل بیت کے لئے دردآگیں ہونے کا ذکر ہے، لہذا اس روایت کے بموجب کوئی شخص کسی فرد اہل بیت کے لئے کسی دن دردآگیں ہوجائے، تو حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ کے ارشاد کے مطابق مستحق جنت ہوجائے گا، پس دسویں محرم کے رافضیانہ مراسم کے لئے اس کو حجت قرار دینا سراسر نادانی وکم فہمی ہے، یہ تو بعض سنیوں کی نادانی تھی، اب شیعہ مؤلف کی جہالت دیکھئے کہ وہ **دمعت عیناہ** اور **قطرت عیناہ** کا ترجمہ ''جو شخص آنسو بہائے یا آنسو ٹپکائے'' کرتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوجاتا ہے کہ بالقصد ایسا کرے، حالانکہ یہ

غلط ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جس کی آنکھ پرنم ہوجائے یا اس کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے۔

دوسری جہالت یہ ہے کہ وہ مسند احمد اور مناقب احمد میں فرق نہیں کرتا اور اسی بنا پر لکھتا ہے کہ ''اس روایت کے متعلق متعدد کتابوں میں مسند احمد کے حوالے ملتے ہیں''۔ حالانکہ سوائے ملا مبین کے اور کوئی مسند احمد کا نام نہیں لیتا بلکہ مناقب کا نام لیتا ہے، ہاں ملا مبین کے بعد کے بعض کم سواد سنی تقلیداً مسند احمد کا نام لیجاتے ہیں، جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

شیعی مؤلف کی تیسری جہالت انیس الذاکرین، عناصر الشہادتین، دہ مخزن، دہ مجلس اور غم حسین وغیرہ کتابوں سے استناد کرنا ہے، شرعی مسائل میں مستند ومتشرع علمائے فقہ وحدیث کی تصانیف سے ایسے اقوال پیش کرنے چاہئیں جن کی تائید اہل سنت کے اصول صحیحہ سے ہوتی ہو۔

بالخصوص روایات کے باب میں تو صرف محقق علمائے محدثین کی تحقیقات درکار ہیں، لہذا اس سلسلہ میں تو شیخ سلیمان قندوزی کا نام لینا بھی بالکل فضول ہے، بالخصوص جب کہ انھوں نے سارے اقوال بلاسند اور بلاحوالہ ذکر کئے ہیں۔

مودۃ القربیٰ کی روایت اسی طرح فقہی اور روایتی حیثیت سے مودۃ القربیٰ بھی قطعاً غیر معتبر کتاب ہے، چنانچہ ص ۹۱ میں شیعہ مؤلف نے مودۃ القربیٰ سے جو روایت نقل کی ہے اس کو ابن الجوزی، اور علامہ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ ج ا ص ۲۰۹ میں موضوع لکھا ہے، اور ذہبی نے میزان ج ا ص ۵۷ میں اس روایت کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے **خبر باطل**۔

بابا رتن کی روایت اسی طرح ص ۹۷ اور ص ۹۸ میں بابا رتن کی جو روایت نقل کی

ہے، اس کو بھی حافظ ذہبی، ابن حجر، اور علامہ طاہر نے موضوع قرار دیا ہے (دیکھو لسان المیزان وتذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۹) یہاں پر بھی مؤلف کی حیاداری قابل تعریف ہے کہ وہ یہ تو ذکر کرتا ہے کہ علامہ ابن حجر نے اصابہ میں اس کو ذکر کیا ہے لیکن خود اصابہ میں انھوں نے اس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس کو نہیں بتاتا۔

ملا کاشفی اور ان کی روضۃ الشہداء بیجا نہ ہوگا اگر اسی جگہ ملا کاشفی اور ان کی روضۃ الشہداء کی نسبت بھی میں ناظرین کو یہ بتادوں کہ ملا کاشفی کو شیعوں کے علامہ ملا محمد تقی اصفہانی وغیرہ نے شیعوں میں شمار کیا ہے، (دیکھو لوامع مصنفہ ملا محمد تقی) اور ان کی کتاب روضۃ الشہداء تمام تر اکاذیب کا مجموعہ ہے، لہذا سنیوں کے سلسلہ میں کاشفی کا نام لینا اور روضۃ الشہداء کا حوالہ دینا صریح مغالطہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی بے قراری اور گریہ کی روایت

شیعہ مؤلف نے ص ۱۱۴ و ۱۱۵ میں ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت ام سلمہؓ کا ایک خواب نقل کیا ہے اور اس نے یہ عنوان قائم کیا ہے: ''بعد شہادت حسین حضرت رسالت مآب کا بے قرار ہونا اور گریہ و بکا کرنا''۔

حالانکہ اس خواب میں حضرت کی بے قراری یا گریہ و بکا کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ صرف یہ ذکر ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک دن آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا سر اور ڈاڑھی گرد آلود ہے، ام سلمہؓ نے پوچھا کہ حضرت بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں ابھی شہادت حسین کے موقعہ پر گیا تھا، شیعہ مؤلف نے اس خواب کے لئے ترمذی کا حوالہ دیا ہے اور ترمذی میں اتنا ہی بیان ہے، ابن حجر مکیؒ یا سیوطیؒ یا شیخ دہلویؒ نے بھی ترمذی ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے لہٰذا ترمذی کا حوالہ دیتے ہوئے کسی نے اس سے زائد کوئی بات نقل کی ہو تو وہ اس کی بھول ہے، ترمذی عام طور پر شائع ہے جس کا جی چاہے مقابلہ کر کے دیکھ لے کہ اس میں آنحضرت ﷺ کے گریہ و بکا کا کوئی ذکر نہیں ہے، اسی طرح سیوطی نے بھی ترمذی کی یہ روایت تاریخ الخلفاء ص ۱۴۱ مطبوعہ لاہور میں نقل کی ہے اس میں گریہ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔

خواب سے حکم شرعی کا ثبوت نہیں ہوتا اور اگر بفرض محال اس خواب میں حضرت کے گریہ کا ذکر ہوتا بھی تو احتجاج کے لئے پیش کرنا شیعی مؤلف کی نادانی تھی،

اس لئے کہ اہل سنت کے فقہا وصوفیا نے بصراحت لکھا ہے کہ خواب سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، گنگوہ کے مشہور ولی وصوفی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

خواب را در شرع اعتبار نیست اگر چہ صالح بود (۲۲۲)	احکام شرعی کے ثبوت میں خواب کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر چہ اچھا ہی خواب ہو۔

اچھا تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی فرض کر لیجئے کہ خواب سے کسی فعل کا جواز و عدم جواز ثابت ہوتا ہے، اور یہ بھی فرض کر لیجئے کہ مذکورہ بالا خواب میں آنحضرت ﷺ کے گریہ کا ذکر ہے، تو بھی اس سے بجز اس کے اور کچھ ثابت نہیں ہوسکتا کہ جب شہادت حسینؓ کے وقت آنحضرت ﷺ کا رونا ثابت ہے، تو اس وقت جو جو رویا اس کا رونا جائز تھا، یا آئندہ جب کسی فرد اہل بیت کی شہادت ہو اور کوئی رودے تو جائز ہے، لیکن اس سے یہ تو کسی طرح نہیں ثابت ہوتا ہے کہ ہر دسویں محرم کو شہادت حسینؓ پر رونا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ کا اپنے صلبی فرزند حضرت ابراہیم کی وفات پر گریہ کرنا خواب میں نہیں بلکہ بحالت بیداری صحیح بخاری وغیرہ سے ثابت ہے کہ آپ نے ان کی وفات پر یہ فرمایا: إِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا إِبْرَاهِیمُ لَمَحْزُونُونَ یعنی اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے رنجیدہ ہیں، تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے کہ حضرت ابراہیم کے یوم وفات یعنی ۱۰/ ربیع الاول کو رونے دھونے میں مشغول رہنا چاہئے، اسی طرح حضرت جعفر طیارؓ، حضرت ابن ام مکتومؓ اور حضرت زینبؓ کے صاحبزادے کی وفات پر آنحضرت کا رونا ثابت ہے تو کیا وجہ ہے کہ شیعہ لوگ آنحضرت ﷺ کے فعل کی اقتداء میں ان حضرات کے ایام وفات کو ایام ماتم قرار دینے کا پروپگنڈا نہیں کرتے؟

کسی کی وفات پر گریہ و ماتم کا حکم

مناسب ہوگا کہ یہاں پہونچ کر ایک اور مسئلہ بھی صاف کرتا چلوں، وہ یہ کہ شیعہ حضرات کسی روایت میں رونے کا ذکر دیکھتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں، یا از راہ مغالطہ ناواقف شیعوں اور سنیوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس روایت سے رونے پیٹنے چیخنے چلانے اور نوحہ کرنے کا جواز نکلتا ہے، حالانکہ روایت کی یہ مراد ہرگز نہیں ہوتی۔

رونا کئی طرح کا ہوتا ہے(۱) آنکھوں سے صرف آنسو جاری ہو جانا (۲) آواز کے ساتھ رونا (۳) بیان کر کے رونا۔ پہلی قسم رونے کی جائز ہے کسی کی وفات یا دوسری کسی مصیبت کے تاثیر سے آنسو جاری ہو جائیں یا آنکھیں پرنم ہو جائیں، تو اس پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہے، شیعہ صاحبان رونے کی جو روایتیں پیش کرتے ہیں ان میں یہی رونا مراد ہے۔

باقی رونے کی پچھلی دو قسمیں شرعاً ممنوع ہیں، ہماری صحاح کی جس کتاب کو اٹھا لیجئے، اس کی کتاب الجنائز میں آواز کے ساتھ رونے، بین اور نوحہ کرنے کی سخت ممانعت ملے گی، لہذا اگر کسی روایت میں کسی حادثہ کے وقت رونے کا ذکر موجود ہو، تو وہ شیعوں کے لئے قطعاً مفید نہیں ہے، اس لئے کہ شیعوں کا مقصود تو ''ماتم حسین'' کا جواز ثابت کرنا ہے جو چیخنے، چلانے، بیان کرنے اور سینہ پیٹنے، بھس اڑانے اور سر پر خاک ڈالنے پر مشتمل ہوتا ہے، اور اس روایت سے بجز آنکھ سے آنسو جاری ہونے کے جواز

کے اور کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا، اور وہ بھی عین حادثہ کے وقوع کے وقت نہ کہ صدیوں کے بعد خاص دسویں محرم کو یا عشرۂ محرم میں، پھر وہ بھی بے اختیار نہ کہ زبردستی اس حادثہ کو یاد کر کر کے۔

میرے اس بیان سے شیعہ مؤلف کی پیش کردہ بہت سی روایات کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے اور صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بفرض محال وہ روایتیں صحیح بھی ہوں تو شیعہ مؤلف کا مدعا ان سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

اور اسی بیان سے ''غمِ حسین'' کے سنی مصنف کی کم سوادی کا پتہ چل سکتا ہے کہ وہ اس روایت کی بنیاد پر جس میں یہ مذکور ہے کہ ''حضرت جبریل نے جب آنحضرت ﷺ کو شہادت حسین کی پیشینگوئی سنائی تو آنحضرت ﷺ رو دئے''۔ دسویں محرم کو حضرت حسین پر رونے کو سنت قرار دیتا ہے، حالانکہ اس روایت میں تصریح ہے کہ حضرت کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے تھے (دیکھو خود شیعہ مؤلف کا رسالہ ص ۱۱۲ و ص ۱۱۳ مجھے اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہا اور وہ بے اختیار رو پڑیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ تو اپنے مذہبی پروپیگنڈے کے لئے یہ مراسم بجالاتے ہیں، اور سنی، شیعوں کے چرکے میں آ کر یا رسم کی پابندی میں ایسا کرتے ہیں، ورنہ ان روایات کی وجہ سے اور اتباع سنت کے جذبہ سے وہ ایسا کرتے تو عمر بھر میں ایک بار بھی بلا تخصیص یوم عاشوراء یا عشرۂ محرم اور مجمع میں نہیں تنہائی میں بھی واقعات پڑھنے سے نمدیدہ ہو جانے کو ادائے سنت کے لئے کافی سمجھتے، اس لئے کہ جن روایات کو عزاداری کے جواز کی سند قرار دیا جاتا ہے، ان کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو ان سے اس کے سوا اور کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

سینہ کوبی وغیرہ کا حکم

جہالت کا برا ہو کہ بعض سنی، شیعوں کے ساتھ رواداری کے غلو میں یا محبت اہل بیت کا غلط اور غیر شرعی مظاہرہ کرنے کے لئے جھوٹی، سچی روایتوں کا حوالہ تو دے جاتے ہیں لیکن ان کو سمجھنے کی قطعاً کوشش نہیں کرتے۔

نیز ان کو یہ بھی فکر نہیں ہوتی کہ ان روایات کا صحیح مفہوم عوام کو سمجھائیں اور ان کو یہ بھی بتائیں کہ اگر یہ روایات صحیح و ثابت بھی ہوں، تو ان سے آجکل کے مراسم عزاداری کا جواز کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ ان روایات کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کے حسب ذیل ارشادات بھی اسانید صحیحہ میں موجود ہیں:

۱:- ثَلاثَةٌ مِنَ الْكُفْرِ بِاللهِ شَقُّ الْجَيْبِ وَ النِّيَاحَةُ وَ الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ (ترغیب وترھیب ص ۵۳۲)

تین باتیں کفر سے ہیں، گریبان پھاڑنا، نوحہ کرنا، اور نسب میں طعن کرنا۔ (ترغیب وترھیب ص۵۳۲)

۲:- صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ فِي الدُّنْيَا وَ الآخِرَةِ مِزْمَارٌ عِنْدَ نَغْمَةٍ وَ رَنَّةٌ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ.

دو آوازیں لعنتی ہیں، باجے کی آواز، اور مصیبت کے وقت بآواز رونا (بزار ترغیب ص۵۳۲)

۳:- لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ النَّائِحَةَ وَ الْمُسْتَمِعَةَ (ابوداؤد وبزار وطبرانی)

آنحضرت ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت کی ہے۔ (ابوداؤد بزار وطبرانی)

۴:- اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَرِئٌ

آنحضرت ﷺ چیخ کر رونے والی،

مِنَ الصَّالِقَةِ وَ الْحَالِقَةِ وَ الشَّاقَّةِ. (بخاری و مسلم)

سر منڈانے والی، اور کپڑے پھاڑنے والی سے بےزار ہیں۔(بخاری و مسلم)

۵:- لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدودَ وَ شَقَّ الْجُيوبَ و دَعا بِدَعْوى الْجَاهِلِيَّةِ (بخاری و مسلم)

جو منھ پر تھپڑ مارے، اور گریبان پھاڑے، اور جاہلیت کی پکار پکارے (ہائے فلاں ہائے فلاں کہے) وہ ہماری جماعت سے نہیں ہے۔(بخاری و مسلم)

۶:- انَّ رَسولَ اللهِ ﷺ لَعَنَ الْخَامِشَةَ وَجْهَهَا وَ الشَّاقَّةَ جَيبَهَا و الدَّاعِيَةَ بِالوَيلِ و الثُّبورِ (ابن ماجه، ابن حبان)

آنحضرت ﷺ نے منھ نوچنے والی، گریبان پھاڑنے اور ویل اور ثبور پکارنے والی (ہائے ہائے کرنے والی) پر لعنت کی ہے۔(ابن ماجہ ابن حبان)

(۷) مَا كَانَ مِنَ اليَدِ وَ مِنَ اللِّسَانِ فَمِنَ الشَّيْطَانِ (احمد، مشكوٰة ص ۱۴۴)

جس رونے میں ہاتھ اور زبان سے بھی کام لیا جائے وہ شیطانی کام ہے، یعنی سر وغیرہ پیٹنا اور بین کرنا۔ مسند احمد، مشکوۃ ص ۱۴۴)

تجدید غم کے لئے مصیبت کو بالقصد یاد کرنا

بعض جاہل ''سنی'' یہ بھی کہہ گذرتے ہیں کہ ''مصائب امام کو یاد کرنا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا باعث اجر ہے'' (دیکھو شیعی رسالہ ص ۸۷) ان ''سنیوں'' کا چاہے جو بھی مطلب ہو مگر شیعہ اس کو پیش کر کے عوام سنیوں کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کے مصائب کو ایام عاشورا میں تجدید غم کے لئے بالقصد یاد کرنا چاہئے، حالانکہ ان سنیوں نے جس حدیث کی بنا پر یہ لکھا ہے اس کی یہ ہرگز مراد نہیں ہے، وہ حدیث یہ ہے:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ و مُسْلِمَةٍ يُصَابُ	کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہونچے
بِمُصِيبَةٍ فَيَذْكُرُهَا وَ إِنْ طَالَ	اور زیادہ زمانہ کے بعد بھی اس کو وہ
عَهْدُهَا فَيُحْدِثُ لِذٰلِكَ	مصیبت یاد آجائے پس اس پر انا للہ و
اِسْتِرْجَاعاً إِلَّا جَدَّدَ اللّٰهُ تَبَارَكَ	انا الیہ راجعون پڑھے تو مصیبت
وَ تَعَالىٰ لَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَاَعْطَاهُ	پہونچنے کے دن جتنا اجر ملا تھا اتنا آج
مِثْلَ اَجْرِهَا يَوْمَ اُصِيبَ بِهَا	بھی ملے گا۔

حدیث کے اصل الفاظ اور اس کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے، اس کا مفہوم بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ پرانی مصیبت بھی یاد آجائے تو انا للہ پڑھنا چاہئے یہ نہیں کہ اس کو بالقصد یاد کرنا چاہئے، حدیث کا کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا، پھر اس حدیث میں حضرت حسینؓ کے شہادت ہی متعلق یہ حکم نہیں ہے بلکہ ہر مصیبت کا یہ حکم ہے، لہذا حدیث مذکور کی رو سے حضرت ابوبکرؓ کا صدمہ وفات، یا حضرت فاروق اعظمؓ

کا حادثۂ شہادت، یا حضرت ذی النورینؓ کی مظلومیت، یا اپنے ہی کسی عزیز وقریب کی موت کا واقعہ کسی کو یاد آجائے اور وہ انا للہ پڑھے تو باعث اجر ہے، جیسا کہ حضرت حسینؓ کی مصیبت کسی کو یاد آجائے اور وہ انا للہ پڑھے تو باعث اجر ہے، پس جو سنی اس حدیث کی بنا پر لکھتے ہیں کہ امام مظلوم کی مصیبت یاد کرنا چاہئے، ان کو یہ بھی کہنا چاہئے کہ ہر مسلمان کو اپنی ہر مصیبت یاد کرنا چاہئے، اس لئے کہ ان کی منطق کے بموجب اس حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

ترک زینت اور سوگ

اسی طرح اس جاہل ''سنی'' کا یہ کہنا کہ ''محبت اہل بیت کی فرض عین ہے، اور سبب حصول قرب خدا ہے اس لئے یہ امور (یعنی سال بھر تک سوگ رکھنا اور نوحہ کرنا) ان کے لئے جائز ہیں، ماوشما کے لئے نادرست ہیں اس لئے کہ ماوشما کی محبت اللہ سے جدا کرتی ہے'' (شیعی رسالہ ص ۸۴)۔

بالکل جاہلانہ بات ہے، رسول خدا ﷺ کی محبت سے بڑھ کر کس انسان کی محبت فرض عین ہوسکتی ہے، لیکن آپ کے لئے بھی یہ امور ناجائز تھے، اس لئے فاطمہ زہراء یا ازاوج مطہرات یا دوسری صحابیات میں سے کسی نے بھی آپ کا سوگ سال بھر نہ رکھا نہ نوحہ کیا، کوئی اس سنی سے پوچھے کہ کیا آنحضرت ﷺ کی محبت بھی اللہ سے جدا کرتی ہے؟ معاذ اللہ۔

حضرت رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُومِنُ بِاللّٰهِ وَ	کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم قیامت
الْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى	پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں ہے کہ کسی

مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ اِلاَّ عَلٰی زَوْجٍ أَرْبَــعَةَ أَشْهُــرٍ و عَشْراً (بخاری و مسلم)

انتقال کرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ رکھے مگر شوہر کے مرنے پر چار مہینہ دس دن تک ترک زینت کر سکتی ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ شوہر کے مرنے پر بھی کسی عورت کو اظہار غم کے لئے سیاہ ماتمی لباس پہننا یوم وفات سے تین دن کے بعد جائز نہیں ہے، تتار خانیہ اور درمختار وغیرہ میں ہے:

لا تعذر في لبس السواد و هي آثمة الا الزوجة في حق زوجها فتعذر الى ثلاثه أيام قال في البحر و ظاهره منعها من السواد تاسفاً على موت زوجها فوق الثلاثة

سیاہ کپڑا پہننے میں عورت معذور نہ قرار دی جائے گی بلکہ گناہ گار ہوگی، ہاں! شوہر کے لئے تین دن معذور رکھی جائے گی، صاحب بحر نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ عورت کو شوہر کی موت پر اظہار افسوس کے لئے تین دن کے بعد سیاہ پوشی سے منع کیا جائے گا۔

شیعہ مولف سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا صاحب تتار خانیہ اور صاحب درمختار اور صاحب بحر الرائق کو بھی وہ وہابی کہہ کر عوام سنیوں کو بھڑکائے گا کہ یہ وہابیوں کے فتوی ہیں؟

جنات کا رونا اور نوحہ کرنا

شیعہ مولف ص ۱۱۸ میں ''جنات کے رونے اور نوحہ کرنے'' کا عنوان قائم کر کے عامی سنیوں کو اس مغالطہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے کہ جس مقدس ذات پر جنات روئے ہوں اور نوحہ کیا ہو، ان پر ہم کو بھی نوحہ کرنا چاہئے، لیکن یہ سراسر فریب ہے، جنات کے فعل سے کسی چیز کا پسندیدہ یا جائز ہونا ثابت نہیں کیا جا سکتا، ہاں! اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ جنات بھی اس سے متاثر ہوئے۔

بیشک حضرت حسینؓ کی شہادت ایسی ہی مصیبت تھی، اسی طرح فاروق اعظمؓ کی شہادت بھی وہ مصیبت کبریٰ تھی جس سے جنات نے متاثر ہو کر نوحہ کیا تھا، اور مرثیے کہے تھے۔

حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۹۹ میں ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے:

عن سليمان بن يسار ان الجن ناحت على عمرؓ

سلیمان بن یسار کا بیان ہے کہ جنات نے حضرت عمرؓ پر نوحہ کیا۔

حافظ ابونعیم دلائل النبوۃ ص ۲۱۰ میں **ما سمع من نياحة الجن على عمرؓ** (جنات کا جو نوحہ حضرت عمرؓ پر سنا گیا) کے ماتحت یہ دو شعر نقل کرتے ہیں:

لبيک على الاسلام من كان باكياً فقد اوشكوا هلكى و ما قدم العهد

اسلام پر جسے رونا ہو رو لے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے مگر لوگ ہلاکت کے قریب ہو گئے۔

وادبرت الدنیا وادبر خیرها　　وقد ملها من کان یومن بالوعد

دنیا اور دنیا کی بھلائی جاتی نظر آتی ہے، اور جس کا قیامت پر ایمان ہے وہ اس سے اکتا گیا ہے۔

ابونعیم نے ان شعروں کو بروایت معروف بن ابی معروف ذکر کیا ہے اور حاکم نے بروایت مالک بن دینار (دیکھو تاریخ الخلفاء ص ۹۹) اور مجمع الزوائد میں بھی جنات کا یہ نوحہ مذکور ہے (دیکھو ص ۹۷ ج ۹)۔

حافظ ابونعیم نے اس کے بعد ایک اور روایت لکھی ہے:

بکت الجن علی عمر بن الخطاب بعد ثلاث.　　حضرت عمرؓ کی شہادت کے تین دن بعد جنات (یہ اشعار پڑھ کر) روئے ہیں۔

أبعد قتیل بالمدینة اظلمت (۱)　　لہ الارض تهتز العضاہ باسوق

جزی اللہ خیراً من امیر و بارکت　　ید اللہ في ذاک الادیم الممزق

فمن یسع او یرکب جناحي نعامة　　لیدرک ما قد فات بالامس یسبق

قضیت اموراً ثم غادرت بعدها　　بوائق في اکمامها لم تفتق

فلقاک ربي في الجنان تحیة　　و من کسوة الفردوس ما لم یمزق

(۱) دلائل النبوۃ کے مطبوعہ نسخوں میں یہ لفظ محرف ہو گیا ہے، ہم نے دوسری کتابوں سے تصحیح کر کے صحیح لکھا ہے، ۱۲ منہ

کیا تعزیت گریہ و بکا کا نام ہے

شیعہ مؤلف نے ص ۱۶۱ میں فریب کاری کی انتہا کر دی ہے، لکھتا ہے:

''پھر کیوں نہ تمام وہ مسلمان جن کے دلوں میں محمد و آل محمد کی محبت ہے، اہل بیت کے مصائب پر گریہ و بکا کر کے فریضۂ تعزیت کو ادا کریں اس لئے کہ رسول اللہ صلعم کی مصیبت کی تعزیت کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے''۔

ملاحظہ کیجئے اس مختصر سی عبارت میں شیعہ مولف نے کیا کیا فریب کاریاں کی ہیں۔

اولاً:۔ تعزیت کے لئے فریضہ کا لفظ استعمال کیا حالانکہ تعزیت کسی کی بھی ہو فریضہ کیا معنی شرعی اصطلاح میں واجب بھی نہیں ہے، مستحبات و مندوبات میں سے ہے۔

ثانیاً:۔ گریہ و بکا کو تعزیت قرار دیا، حالانکہ تعزیت رونے دھونے کا نام نہیں ہے، نہ لغۃً نہ شرعاً بلکہ تعزیت تلقین صبر اور تسلی و دلاسا دینے کا نام ہے۔

صراح میں ہے: تعزیت بصبر فرمودن مصیبت زدہ را یقال عزیتہ فتعزی اور مجمع البحار میں ہے: عزی إذا صبر و تعزی تصبر (ص ۱۲۲ ج ۲) دوسری جگہ ہے: من عزی مصاباً أی حمله علی العزاء مف و هو بالمد الصبر (الی قوله) بان یقول اعظم الله اجرک فیسهل علیه المصیبة (مجمع البحار ج ۲ ص ۲۸۴)۔

اور المنجد میں ہے: عزی الرجل تعزیة سلاه. تعزی ...... تصبر و تسلی.

ثالثاً:- یہ باور کرایا کہ مدت مدیدہ کے بعد بھی تعزیت کرنا فرض ہے، حالانکہ تین دن کے بعد تعزیت بمذہب احناف مکروہ ہے، نیز ایک دفعہ سے زیادہ تعزیت کی تو یہ بھی مکروہ ہے، درمختار میں ہے:

و تکرہ بعدھا الا لغائب و تکرہ التعزیة ثانیاً.   تعزیت تین دن کے بعد مکروہ ہے مگر غائب کے لئے، اور دوبارہ تعزیت بھی مکروہ ہے

صاحب منح الغفار نے تین دن کے بعد تعزیت کے مکروہ ہونے کی علت یہ بتائی کہ لانہا تجدد الحزن (وہ غم کو تازہ کر دیتی ہے)۔

اور صاحب تتارخانیہ نے لکھا ہے:

لا ینبغی لمن عزی مرة ان یعزی اخریٰ (درمختار ص ۶۳۰ ج ۱)   جو ایک بار تعزیت کر چکا اس کو دوبارہ تعزیت نہ کرنی چاہئے۔

رابعاً:- آنحضرت ﷺ کی تعزیت کو فرض بتا دیا حالانکہ آنحضرت ﷺ کی تعزیت (یعنی آپ کو صبر دلانا) ممکن ہی نہیں ہے۔

(خامساً) آنحضرت ﷺ کی تعزیت کی "فرضیت" کے ثبوت میں ابن ماجہ کی ایک حدیث تحریف لفظی کے ساتھ پیش کر دی، حالانکہ اس حدیث کو مولف کے مدعا سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

ملاحظہ کیجئے وہ حدیث بلا تحریف کے یوں ہے:

اَیُّھَا النَّاسُ اَیُّمَا اَحَدٍ مِنَ النَّاسِ اَوْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اُصِیْبَ بِمُصِیْبَةٍ   اے لوگو! جو آدمی یا مومن کسی مصیبت میں مبتلا ہوا اس کو میرے سوا کا جو صدمہ

فَلْيَتَعَزَّ بِمُصِيبَتِهِ بِي عَنِ الْمُصِيبَةِ	اس کو پہنچا ہے اس سے تسلی پائے
الَّتِي تُصِيبُهُ بِغَيْرِي فَإِنَّ أَحَداً	میرے صدمہ کے ذریعہ کیوں کہ
مِنْ أُمَّتِي لَنْ يُصَابَ بِمُصِيبَةٍ	میرے کسی امتی کو میرے صدمۂ
بَعْدِي أَشَدَّ عَلَيْهِ مِنْ مُصِيبَتِي	وفات سے سخت کوئی صدمہ میرے
(ابن ماجہ ص ۱۱۶)	بعد نہ پہونچے گا۔

اس حدیث کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ کسی مومن کو کوئی صدمہ پہونچے تو اس کو چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے صدمہ کا تصور و خیال کر کے دوسرے صدمہ کو بھلا ڈالے کہ وفات نبوی کے صدمہ سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کوئی دوسرا صدمہ نہیں ہوسکتا۔

اب ناظرین خود انصاف کریں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی تعزیت کا کہاں ذکر ہے؟ اور اس کو مولف کے مدعا سے کیا لگاؤ ہے۔

اصل یہ ہے کہ مولف نے اس حدیث کو ”ماثبت بالسنة“ کے محرف اور اغلاط سے پر نسخہ سے نقل کیا ہے اور اس میں فليتغر کے بجائے فليعز اور بمصيبة کے بجائے بمصيبتي اور بی عن المصيبة کے بجائے في عين المصيبة کاتب نے لکھ دیا ہے، اور مؤلف نے یہ خیال کر کے کہ نقل را چہ عقل اس کو بجنسہٖ نقل کر دیا، اور انھیں غلط اور محرف الفاظ سے اپنا مدعا ثابت کرنے لگا، یہ نہ سوچا کہ ”ما ثبت بالسنة“ نے اس حدیث کے لئے ابن ماجہ کا حوالہ دیا ہے، لہذا الاؤاصل کتاب سے مقابلہ کے بعد حدیث نقل کریں۔

ابن ماجہ کے علاوہ یہ حدیث مجمع الزوائد مطبوعہ مصر ص ۳۷ ج ۹ میں بھی ہے، اور اس میں بھی حدیث کا خط کشیدہ حصہ اسی طرح ہے جس طرح ابن ماجہ میں ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے ترجمے کی صحت کے ثبوت میں شارح ابن ماجہ کا قول بھی پیش کردوں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی انجاح الحاجۃ میں لکھتے ہیں: قوله فَلْيَتَعَزَّ بِمُصِيبَةٍ بي اي ليتسل قلبه عن المصيبة التي اصابته بالمصيبة التي هي بسبب وفاتي لانه لا شيء أشد على المسلمين من موت رسول الله ﷺ (حاشیہ ابن ماجہ ص ۱۱٦)۔

بہر حال! مؤلف کی پیش کردہ حدیث میں ''نہ تعزیت'' کا لفظ ہے، نہ اس کا کوئی مشتق اور ''نہ تعزیت'' کے معنی گریہ و بکا کے ہیں، لہذا اس نے ص ۱٦۱ میں جو کچھ لکھا ہے سب غلط ہے، تعزیت کے معنی تسلی دینے کے ہیں، معلوم ہوتا ہے مؤلف نے حماسہ کے یہ اشعار بھی نہیں پڑھے ہیں۔

تعز فان الصبر بالحر اجمل   وليس على ريب الزمان معول
فلو كان يغني ان يُرى المرءُ جازعاً   لحادثة أو كان يغني التذلل
لكان التعزى عند كل ملمة   و نائبة بالحر اولى واجمل

ص ۳۵ مطبوعہ دیوبند

سنن کبری بیہقی میں ہے: أنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَزَّىٰ رَجُلاً فَقَالَ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَ يَاجُرُكَ (ص ۴ ج ٦۰) یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کی تعزیت کی تو فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے اور اجر دے۔

معلوم ہوا کہ اس قسم کے کلمات کہنے کو شریعت میں تعزیت کہتے ہیں۔

تعزیہ داری

شیعی مؤلف نے اخیر اخیر میں اٹھارہ ورق تعزیہ داری وعزادری کا جواز ثابت کرنے کے لئے سیاہ کئے ہیں، جن میں سے چار ورق میں تو صرف جاہل تعزیہ داروں کے بازاری اشتہارات نقل کئے ہیں، جن کی طرف توجہ کرنا تضیع اوقات ہے، ان اشتہارات کو تو ان کے مشتہرین کی طرح جو آدمی علم سے کورا ہوگا وہی کوئی اہمیت دے سکتا ہے۔

ہاں! اس سلسلہ میں دو ایک عالموں کی عبارتیں پیش کی ہیں وہ البتہ قابل بحث ہیں، سب سے پہلے مؤلف نے تبصرۃ الایمان مصنفہ سلامت علی خان بنارسی کی دو عبارتوں سے تعزیہ داری کا آثار اسلام سے ہونا اور اس پر دینی فوائد مرتب ہونا اور امام باڑہ وتعزیہ کا لائق تعظیم ہونا بیان کیا ہے۔

لیکن ہم پورے جزم ویقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں عبارتیں جو شیعہ مؤلف نے نقل کی ہیں مولانا سلامت علی خاں کی نہیں ہیں، بلکہ کسی شیعہ نے ان کی کتاب میں اپنے قلم سے بڑھا دی ہیں، (اور شیعہ صاحبان اس قسم کی کارستانیوں میں ہمیشہ کے مشاق اور کھلاڑی مانے ہوئے ہیں) ہماری دلیل یہ ہے کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ مولانا سلامت علی خاں نے تعزیہ داری، مرثیہ خوانی، نوحہ گری، اور سیہ پوشی کو ممنوع شرعی لکھا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

امامیہ خود را از خاصگان ائمہ ہدیٰ پندارند　　　شیعہ اپنے کو ائمہ ہدیٰ کے خاص

خصوصاً بوسیلہ تعزیہ داری وبحیلہ مرثیہ خوانی کہ ممنوع شرعی است (ص ۱٦۸)

لوگوں میں شمار کرتے ہیں، خصوصاً تعزیہ داری، اور مرثیہ خوانی ونوحہ گری کے وسیلے سے جو شرعاً ممنوع ہیں۔

اور ص ۱٦۷-۱٦۸ میں لکھتے ہیں:

در ماتم جامہ سیہ پوشیدن رسم جاہلیت و عادت بت پرستاں بود و آں ہنوز در فرقۂ غیر اسلام جاری است ،عوام امامیہ در تعزیہ داری سیہ پوشی اختیار کنند حالانکہ در کتب معتبرہ ایشاں نیز نوشتہ است، کہ لباس سیہ، رسم کفار است، ونماز ازاں جائز نیست۔

ماتم میں کالا کپڑا پہننا جاہلیت کی رسم اور بت پرستوں کی عادت تھی اور اب بھی غیر مسلموں میں جاری ہے،عوام شیعہ تعزیہ داری میں سیاہ کپڑا اختیار کرتے ہیں، حالانکہ ان کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ سیاہ لباس کافروں کی رسم ہے،اور نماز اس میں جائز نہیں ہے۔

ناظرین! انصاف کریں کہ جو شخص تعزیہ داری، مرثیہ خوانی، اور نوحہ گری کو ممنوع شرعی کہتا ہو، اور تعزیہ داری میں سیاہ پوشی کو کفار اور بت پرستوں کی رسم بتاتا ہو، کس طرح ممکن ہے کہ وہی دوسری جگہ تعزیہ داری کو آثارِ اسلام سے کہے، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک چیز شرعاً ناجائز بھی ہو اور آثار اسلام سے بھی ہو؟ ہرگز نہیں!

مولف کی ''ہمہ دانی'' اصل بات کا جواب تو ہو چکا، لیکن مولف نے یہاں پر ''ہمہ دانی'' کا ایک ثبوت پیش کیا ہے، اس کو بھی سنتے چلئے، فرماتے ہیں: ''مصنف کتاب ''معرکہ آرا'' جناب مولانا سلامت علی خاں طبیب.....المعروف بہ حذاقت خاں دہلوی ثم بنارسی......اپنی کتاب تبصرۃ الایمان میں تحریر فرماتے ہیں'' (ص ۱۳۳)

سبحان اللہ! کیا کہنا ہے، اس قابلیت کا ''معرکہ آرا'' مولانا شاہ سلامت اللہ

کانپوری صدیقی کی تصنیف کو مولانا سلامت علی خاں بنارسی کی تصنیف بتانا، اور شاہ سلامت اللہ اور سلامت علی خاں میں فرق نہ کرنا، معمولی قابلیت کا کام نہیں ہے۔

ہمہ دانی کا دوسرا ثبوت اسی طرح ص ۱۳۵ میں سلاطین مغلیہ کے زمانہ کی تصانیف کے سلسلے میں فتاویٰ قاضی خاں کا نام لینا، مولف کی اعلیٰ قابلیت کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، اور بالکل نئی تحقیق ہے۔

مولف نے مجوزین تعزیہ داری کے سلسلے میں دوسرا نام شاہ عبد الرحمٰن صاحب لکھنوی کا لیا ہے، اور ان کی سوانح عمری یا ملفوظات موسومہ انوار الرحمٰن کی ایک عبارت پیش کی ہے۔

اس کی نسبت میری گذارش یہ ہے کہ ''انوار الرحمٰن'' خود شاہ صاحب کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ ان کے ایک مرید کی ہے، اور اس نے اس کتاب میں شاہ صاحب کی طرف ایسی ایسی لغو، بیہودہ اور سراسر غلط باتیں منسوب کی ہیں جن کو کوئی معمولی عقل والا بھی تسلیم نہیں کرسکتا، جیسا کہ میں پہلے بھی ایک جگہ لکھ چکا ہوں، حد ہو گئی کہ ''انوار الرحمٰن'' کا مصنف شاہ صاحب کی طرف ڈھول، طبلہ، مردنگ، پکھاوج، سارنگی، ستار اور دوسرے آلات لہو کے بجانے اور سننے کو جائز و مباح کہنے کی نسبت کرتا ہے (دیکھو ص ۳۸۸) حالانکہ یہ چیزیں باتفاق شیعہ وسنی ناجائز ہیں۔

پھر اس حالت میں ہم اس کی نقل پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں، علاوہ بریں شاہ صاحب کی بزرگی ہم کو مسلم ہے، لیکن بزرگی اور چیز ہے، اور علم و تحقیق مسائل شرعیہ دوسری چیز ہے۔(۱)

(۲) امام سفیان بن عیینہ کا یہ مقولہ جس کو امام احمد نے نقل کیا ہے، آب زر سے لکھنے کے قابل ہے: قد یکون الرجل عالماً باللہ لا یفقہ امر اللہ یعنی آدمی کبھی عارف تو ہوتا ہے، لیکن فقیہ نہیں ہوتا (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۰۳) ۱۲ منہ۔

پھر لطف یہ ہے کہ مولف نے ''انوار الرحمٰن'' کی عبارت نقل کرنے میں صریح خیانت کی ہے، جو جو فقرے اس کے خلاف تھے اس نے حذف کردئے ہیں، چنانچہ شاہ صاحب کا پہلا ہی فقرہ جس میں انھوں نے صراحۃً تعزیہ داری کو ناجائز بتایا ہے، مولف نے چھوڑ دیا ہے، ملاحظہ ہو:

ایں تعزیہ داری اگر چہ از روئے شرع شریف ناروا است لیکن در ہندوستان شعار اعظم دین است۔	یہ تعزیہ داری اگر چہ شرع شریف کی رو سے ناجائز ہے، لیکن ہندوستان میں دین کا بڑا شعار بن گئی ہے۔

شیعہ مولف اگر پہلا فقرہ بھی نقل کر دیتا، تو ہر آدمی بے کھٹکے اس عبارت سے اس نتیجہ پر پہونچ جاتا کہ شرعی حکم تو یہی ہے کہ تعزیہ داری حرام ہے، لیکن شاہ صاحب کی ذاتی رائے اور مصلحت اندیشی یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں مذہبی چیز بن گئی ہے، اور اس ذریعہ سے کچھ لوگوں کو فائدہ پہونچ جاتا ہے اس لئے:

ازیں سبب علمائے حق بیں ایں را بدعت حسنہ قرار دادہ اند (انوار الرحمٰن ص ۱۱۵)	اسی سبب سے حق بیں علماء نے اس کو بدعت حسنہ قرار دیا ہے

شیعہ مولف نے یہ فقرہ بھی حذف کر دیا ہے، تاکہ یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تعزیہ داری کے بدعت ہونے میں تو کلام نہیں ہے، ہاں! کلام اس میں ہے کہ وہ سیئہ ہے یا حسنہ، تو جو لوگ شرعی حیثیت کا لحاظ کرتے ہیں اور شرعی حکم بتاتے ہیں وہ تو بدعت سیئہ کہتے ہیں، اور جو لوگ شرعی حکم سے قطع نظر کر کے محض مصلحت اندیشی سامنے رکھتے ہیں وہ بدعت حسنہ کہہ دیتے ہیں۔

لیکن حق یہ ہے کہ دوسرے گروہ کا یہ تخیل محض غلط ہے، صاحب مجالس الابرار کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے:

لأن عـــادة اكثـر الـبـلاد و قول كثيـر مـن الـزهاد و العباد ليس مما يصلـح ان يـكـون مـعـارضاً لكلام الـرسـول عـليه الصلوة و السلام و كـذلك الـدليـل الـمخصوص هو الدليل الشرعي من الكتاب والسنة والاجـمـاع الـذي هـو مختص باهل الاجتهـادومن ليس من أهل الاجتهاد مـن الـزهـاد والـعبـاد فهو في حكم الـعـوام لايـعتـد بكلامـه الا ان يكون مـوافـقـاً لـلاصـول والـكـتـب المعتبرة. ص۱۲۶	اکثر مقامات کا رواج یا چند عابدوں زاہدوں کا کہہ دینا اس قابلہ نہیں کہ کلام رسول ﷺ کا مقابل کر سکے اور ایسے ہی دلیل مخصوص وہی دلیل ہوتی ہے جو شرعی ہو، ماخوذ ہو قرآن یا حدیث یا اجماع سے، جو کہ اجتہاد والوں سے مخصوص ہے، اور جو مجتہد نہیں ہے چاہے عابدوزاہد ہو وہ عوام کے حکم میں ہے، اس کے قول کا کچھ اعتبار نہیں، مگر جب ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہو۔

شیعہ مولف نے تیسرا حوالہ مولوی عبد الواحد صاحب فرنگی محلی کی ایک کتاب ''ازالۃ الاوہام'' کا دیا ہے۔

اس کی نسبت گذارش ہے کہ اولاً تو یہی محقق نہیں ہے کہ ازالۃ الاوہام کس کی تصنیف ہے، شیعہ مولف اس کو مولوی عبد الواحد کی تصنیف بتاتا ہے، اور مولوی عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی ان کے والد کے تصانیف میں جواز تعزیہ کے باب میں ایک رسالہ کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ خود شیعہ مولف نے ص۱۶۴ میں لکھا ہے، میں کہتا ہوں ہونہ ہو یہ ازالۃ الاوہام ہی ہے۔

ثانیاً: یہ رسالہ جس کی بھی تصنیف ہو، اس کی عبارت بتاتی ہے کہ اس کا

مولف یا تو فقہ، اصول فقہ اور تاریخ ہر چیز سے قطعاً نابلد ہے، یا کسی شیعہ والی حکومت کا نمک خوار اور خوشامدی بالکل دنیادار آدمی ہے۔

تاریخ سے ناواقفیت کا ثبوت تو یہ ہے کہ وہ تعزیہ داری کو صدہا سال سے مروج بتاتا ہے، حالانکہ ہمارا شیعہ مولف ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود سوائے تیرہویں صدی کے جس صدی میں ازالۃ الاوہام لکھی گئی ہے اور کسی صدی میں تعزیہ کا ثبوت فراہم نہ کر سکا جیسا کہ حصہ اول پر تبصرہ کے ضمن میں آپ پڑھ آئے ہیں۔

تاریخ سے ناواقفیت کا دوسرا ثبوت اکبر کو متشرع بادشاہ لکھنا ہے، حالانکہ تاریخ کی ابجد جاننے والا بھی جانتا ہے کہ اکبر اعلیٰ درجے کا ملحد و بے دین بادشاہ تھا، علیٰ ھذا القیاس جہانگیر کو متشرع لکھنا بھی ہے، حالانکہ اس کی مے نوشی وغیرہ کے واقعات بچہ بچہ جانتا ہے۔

اور فقہ و اصول سے یکسر نابلد ہونے کا ثبوت وہ دلیل ہے، جو جوازِ تعزیہ پر مصنف ازالۃ الاوہام نے پیش کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱:-متشرع بادشاہوں کے زمانہ میں تعزیہ بنتا تھا، اور انھوں نے یا ان کے وزیروں یا قاضیوں نے روکنے کی قدرت ہوتے ہوئے نہ روکا، لہذا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تعزیہ بنانا جائز ہے، ناجائز ہوتا تو ضرور روکتے۔

۲:-اور جب اس وقت سے اس وقت تک برابر بنتا آتا ہے اور خواص و عوام میں سے کسی نے اس سے انحراف نہ کیا تو اب اس کے جواز پر اجماع ہو گیا۔

ہمارے مدارس کے طلبائے اصول فقہ صاحب ازالۃ الاوہام کی ان دلیلوں کو غور سے پڑھیں اور بتائیں کہ ادلۂ احکام کی چار قسموں میں سے کس قسم میں یہ دلیلیں داخل ہیں۔

اس دلیل پر تبصرہ ہم نے تو اب تک یہی پڑھا ہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کا کسی کام کو ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا اس کام کے جواز کی دلیل ہے، دوسرے کسی کی خاموشی حجت شرعی نہیں ہے، چاہے وہ کوئی بادشاہ ہو یا وزیر یا قاضی، اصول فقہ کی چھوٹی یا بڑی کوئی کتاب اٹھا لیجئے تقریر نبوی کے سوا کسی کی تقریر کو شرعی دلیلوں میں شمار نہیں کیا گیا۔ صدر الشریعۃ توضیح میں لکھتے ہیں: كسكوت صاحب الشرع عن تغيير امر يدل على حقيته (ص ۲۴۷)

اسی طرح اصول کی تمام کتابوں میں اجماع کی تعریف میں مجتہد کے اتفاق کی قید مذکور ہے، بلکہ اصول الشاشی میں تو صاف تصریح ہے:

والمعتبر في هذا الباب اجماع اهل الراى و الاجتهاد فلا يعتبر بقول العوام و المتكلم والمحدث الذي لا بصيرة له في اصول الفقه (ص ۴۲)	اس باب میں صرف مجتہدین کا اجماع معتبر ہے، لہذا عوام یا متکلم یا محدث کے قول کا کچھ اعتبار نہیں جس کو اصول فقہ میں کچھ بصیرت نہ ہو۔

اور تلویح میں ہے:

و قيد بالمجتهدين اذ لا عبرة باتفاق العوام (۳۴۸)	تعریف اجماع میں مجتہدین کی قید اس لئے لگائی کہ عوام و غیر مجتہدین کے اتفاق کا کچھ اعتبار نہیں

صدر الشریعۃ توضیح میں لکھتے ہیں:

و أما الثاني ففي اهلية من ينعقد به الاجماع و هي لكل مجتهد	دوسری بحث اجماع کی اہلیت میں اور وہ ہر وہ اس مجتہد میں ہے جس میں کوئی

ليس فيه فسق و لا بدعة (۳۵۳) فسق وبدعت نہ ہو۔ (ص ۳۵۳)

صاحب مجالس الابرار نے لکھا ہے کہ: لا تجتمع امتي على الضلالة (میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی) میں امت سے مراد مجتہدین ہیں، فرماتے ہیں: والمراد بالامة في هذا الحديث اهل الاجماع الذي هو بكل مجتهد ليس فيه فسق و لا بدعة، آگے لکھتے ہیں کہ یا پھر تمام امت مراد ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میری کل امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔

میرا مقصد اس عبارات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ سلاطین مغلیہ کے وقت سے اب تک کسی نے تعزیہ داری پر انکار نہیں کیا، تو اس کو اجماع کہنا از روئے اصول فقہ غلط ہے، اس لئے کہ اجماع مجتہدین (اور مجتہدین بھی ایسے جن میں فسق و بدعت نہ ہو) کے اتفاق کا نام ہے، اور جن کے انکار نہ کرنے کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ مجتہد نہ تھے۔

میری یہ گفتگو علی سبیل التنزل ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہ بیان ہی غلط ہے کہ تعزیہ داری پر کسی نے انکار نہیں کیا، میں بعض علما کے اقوال کے انکار تعزیہ داری میں نقل کر چکا ہوں اور باقی اقوال آئندہ نقل کروں گا۔

انصاف پسند حضرات ذرا اس پر بھی غور فرمائیں! جواز تعزیہ کی یہ دلیل اگر صحیح مان بھی لی جائے تو دنیا میں کون سا ناجائز فعل ناجائز رہ سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ صاحب ازالۃ الاوہام کے متشرع بادشاہ اکبر اور جہانگیر ڈاڑھی منڈاتے تھے، شراب پیتے تھے، اپنے آگے تعظیمی سجدے کراتے تھے، اس کے علاوہ ان کے عہد حکومت میں صدہا ناجائز رسوم مروج تھیں جن کی انھوں نے بندش نہیں کی، تو کیا یہ سب چیزیں جائز ہو گئیں؟ اکبر و جہانگیر کو چھوڑیئے، سلطان صلاح الدين ايوبي واقعۃً متشرع

بادشاہ تھا، اور اس نے عید عاشوراء رائج کی تھی، جیسا کہ شیعہ مولف کا بیان ہے، لہذا عید عاشوراء کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، اور شیعہ مؤلف صاحب ازالۃ الاوہام کی یہ دلیل جوازِ تعزیہ کے باب میں اپنے تائیدی نوٹ کے ساتھ نقل کرتا ہے تو پھر عید عاشوراء پر کیوں برہم ہوتا ہے، آخر وہ بھی تو ایک متشرع بادشاہ کی رائج کردہ تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کسی چیز کا جواز یا عدم جواز یا تو قرآن پاک سے ہوسکتا ہے، یا حدیث، یا مجتہدین کے اجماع سے، یا کسی مجتہد کے قیاس سے، اور صاحبِ ازالۃ الاوہام نے ان میں سے کوئی چیز پیش نہیں کی، لہذا اہل سنت کے اصول سے اس کا قول قطعاً مردود و ناقابل قبول ہے، سنی بھائیوں کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ ائمہ مجتہدین کے علاوہ کسی عالم کی بات بلا دلیل شرعی کے نہیں مانی جاسکتی، بلکہ مجتہدین کے بعد کا جب کوئی عالم فتوی دے گا تو اس کے فتوے کو اس اصول سے جو ملا احمد رومی نے مجالس الابرار میں لکھا ہے جانچنا ضروری ہے:

جو شخص مجتہدین کے بعد ہے وہ بدعت کے بارے میں یہی کہتا ہے کہ یہ مستحب ہے اور اس پر مجتہدین کے اصول کے خلاف کوئی دلیل قائم کر دیتا ہے۔ پس یہ دلیل اس کی مقبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ تقلید اور پیروی محض نیک گمان سے اس کی جائز ہے جو مجتہد عادل ہو نہ مقلد کی، لیکن چونکہ اجتہاد اب ایک مدت دراز سے منقطع ہے تو مجتہد کے مذہب معلوم کرنے کا طریقہ اسی میں منحصر ہے کہ کسی معتبر کتاب میں جو علماء میں مروج ہو منقول ہو، یہ اسکے لئے جس کو اس کے نکالنے پر قدرت ہو، یا ایسا عالم عادل بتلائے جس کے علم و عمل پر اعتماد ہو، یہ اس کے لئے جو مسائل کے نکالنے کی لیاقت نہ رکھتا ہو، پس ہر کتاب پر عمل جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس زمانہ میں ایسی

بہت سی کتابیں چل گئی ہیں جو کم علموں نے بلا وجہ دریافت حقیقت حال کے جمع کردی ہیں اور نہ ہر عالم کے کہنے پر عمل کرنا چاہئے، اس لئے کہ بعد قرون ثلاثہ کے لوگوں میں فسق غالب ہوگیا ہے، پس مستور الحال بھی فاسق کے حکم میں ہے، پس ضرور ہے کہ عدالت صدق کو غالب کرنے والی اس میں موجود ہو، اس موقع پر ایک اور قاعدہ بھی ہے جس کا جاننا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اگر فقہی مسئلہ بیان کیا جائے تو اس میں غور کیا جائے، پس اگر اس کا ماخذ کتاب اور سنت اور اجماع سے معلوم ہو اور مشہور ہو، تو اس میں کسی کو کچھ جھگڑا نہیں اور اگر اس کا ماخذ معلوم نہیں ہو بلکہ وہ مسئلہ اجتہادی ہے، پس اگر اس کا بیان کرنے والا مجتہد ہے، تو ہر شخص پر جو مقلد ہو اس کی پیروی کرنا لازم ہے، اور اس سے دلیل طلب کرنا ضروری نہیں، اس لئے کہ مجتہد کا بیان ہی اس کی دلیل ہے، اور اگر اس کا ناقل مجتہد نہیں ہے بلکہ مقلد ہے، پس اگر اس نے کسی مجتہد سے نقل کیا ہے اور اس نقل کا ثبوت بھی دے دیا ہے، یا کسی دوسرے مقلد کی طرف سے مجتہد سے نقل نہیں کیا، بلکہ اپنی طرف سے بیان کیا ہے، یا کسی دوسرے مقلد کی طرف سے یا گول رکھا، پس اگر اس کے بارے میں کوئی دلیل شرعی بیان کی ہے، تو اس کے ماننے میں اس صورت میں بھی کوئی کلام نہیں، اور اگر دلیل نہیں بیان کی تو غور کرنا چاہئے کہ اگر اس کا کلام اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہے اور کوئی بات اس میں خلاف نہیں تو اس پر عمل جائز ہے، لیکن عمل کرنے والے کو چاہئے کہ صرف تقلید پر نہ ٹھہر جائے بلکہ اس سے دلیل مانگے اور اگر اس کا کلام اصول کی معتبر کتابوں کے مخالف ہو تو اس کی طرف بالکل توجہ نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ علماء تصریح کر چکے ہیں کہ جس بات کی صحت یقینی معلوم نہ ہو جائے اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کا باطل ہونا بھی معلوم نہ ہو جائے، چہ جائے کہ کہ اس کا باطل ہونا معلوم ہو جائے۔ (مجالس الابرار ص ۱۳۴ و ص ۱۳۵)۔

۴:۔شیعہ مولف نے چوتھے نمبر پر ہنسوہ کے کسی بزرگ شاہ محمد فائق کا نام لیا ہے اور تعزیہ بنانے کے جواز پر ان کا ایک تین ورق کا رسالہ بزبان عربی نقل کر دیا ہے۔

میں مصنف سے ذاتی واقفیت نہیں رکھتا لیکن اس رسالہ کی زبان ہی سے مصنف کے مبلغ علم کا صاف پتہ چل جاتا ہے، جو شخص نقشہ جاتُ المواقع المتبرکة جیسی صحیح و فصیح عربی لکھ سکتا ہو اس کی قابلیت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟

بہر حال آپ کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ''دنیا کی تمام مسجدیں کعبہ کی نقل ہیں، اسی طرح تعزیہ بھی حضرت امام حسینؓ کی قبر یا روضہ کی نقل ہے، جیسے مسجد بنانا جائز ہے اسی طرح تعزیہ بنانا جائز ہے''۔

ہماری گذارش یہ ہے کہ اس کا کون سا نقلی یا عقلی ثبوت ہے کہ دنیا کی مسجدیں کعبہ کی نقل ہیں، ہر عامی و عالم جانتا ہے کہ دنیا کی اکثر مسجدیں شکل وصورت اور وضع و قطع میں کعبہ سے مختلف ہیں، لہذا اس کی نقل کیسے ہو سکتی ہے، اور اگر بالفرض وہ کعبہ کی نقل ہوں بھی تو ان کے بنانے کا صریح حکم اور ترغیب قرآن و احادیث صحیحہ میں وارد ہے (انما یعمر مساجد الله اور من بنیٰ لله مسجداً سے مصنف ناواقف نہ ہوگا)۔قبر یا روضہ کی نقل بنانے کا کس آیت یا حدیث میں حکم ہے؟ آپ کہیں گے کہ ہم مسجد کو تعزیہ پر قیاس کرتے ہیں، تو سوال ہے کہ اولاً تو آپ کو قیاس کا حق کیا ہے؟ قیاس تو مجتہد جامع الشرائط کا کام ہے، اور آپ کی جامعیت شرائط آپ کے رسالہ کی زبان ہی سے ظاہر ہے۔

ثانیاً: کعبہ یا قبہ، قبر میں جامع کیا ہے؟ قیاس کے لئے مقیس و مقیس علیہ میں جامع ہونا ضروری ہے۔

ثالثاً: اگر دونوں میں جامع بھی ہو تو اس کی کیا دلیل ہے کہ بنائے مسجد کا حکم

اسی لئے ہے کہ وہ کعبہ کی نقلیں ہیں؟ یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ نقل کعبہ ہونے کی وجہ سے [نہیں] بلکہ بذات خود مستقل طور پر عبادت گاہ ہونے کی وجہ سے ان کے بنانے کا حکم ہے اور یہی واقعہ بھی ہے، بہرحال جب تک دلائل سے ان سوالات کا تشفی بخش جواب نہ دے دیا جائے، اس جاہلانہ دلیل سے تعزیہ بنانے کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا، پھر اگر یہ مستدل ان تمام مرحلوں کو بھی طے کرلے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت کر سکے گا کہ بلا کسی تخصیص یا تقلید کے صرف تعزیہ بنانا جائز ہے، لیکن یہ کہ خاص عشرۂ محرم میں بنایا جائے اور ہر سال بنایا جائے اور بنا کر بگاڑ بھی دیا جائے، اور اس کو کوچہ و بازار میں پھرایا بھی جائے، اور گشت کے ساتھ مرثیے بھی پڑھے جائیں اور اس کو لے جا کر دفن بھی کیا جائے، اور اس کے لئے منتیں بھی مانی جائیں، اور چڑھاوے بھی چڑھائے جائیں (الی غیر ذلک من الخرافات) تو مذکورہ بالا دلیل سے ان امور کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا، لہذا ان خرافات کے جواز کی کیا سند ہے؟

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت حسینؓ ہی کے روضہ یا قبر کا انتخاب کیوں کیا گیا، حضرت حسنؓ کے قبہ یا حضرت علیؓ کے مشہد یا مشہد حضرت عثمانؓ یا گنبد خضراء (علی ساکنھا الصلوۃ والسلام) کے ساتھ بے اعتنائی کیوں برتی گئی؟

ہنسوہ کے ان بزرگ نے جواز بنائے تعزیہ کی دوسری دلیل یہ ذکر کی ہے:

''حدیث میں بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کو جائز بتایا گیا ہے''۔

ہماری گذارش یہ ہے، اولاً: تو یہ حدیث یعنی قول نبوی نہیں ہے، بلکہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔

ثانیاً: ہر بے جان کی بھی تصویر بنانا جائز نہیں ہے، صحیح بخاری میں حدیث نبوی ہے کہ جس گھر میں عیسائیوں کی صلیب کی تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے نہیں

جاتے، دیکھئے صلیب بے جان چیز ہے مگر اس کی تصویر بنانا ناجائز ہے، اور عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ اس کو پوجتے اور تعظیم بجالاتے ہیں، پس کیوں نہیں ہوسکتا کہ چونکہ روافض اور بہال بھی تعزیہ کو پوجتے اور اس کے ساتھ مشرکانہ رسوم ادا کرتے ہیں، اس لئے اس کا بھی بنانا ناجائز ہے۔

ثالثاً: اس دلیل سے بھی صرف تعزیہ کا بنانا جائز ثابت ہوگا، نہ کہ وہ تمام لغویتیں جو آپ کی پہلی دلیل پر کلام کرنے کے ضمن میں ہم نے بیان کی ہیں، لہذا اگر آپ میں کچھ بھی حق پرستی ہو تو اعلان کیجئے کہ دلائل شرعیہ سے (۱) تعزیہ بنانے کا صرف جواز ثابت ہوتا ہے، لہذا جو عوام اس کو ضروری سمجھتے ہیں یا التزام کے ساتھ بناتے ہیں وہ ناجائز کرتے ہیں۔ (۲) جواز بھی صرف تعزیہ بنانے کا ثابت ہوتا ہے نہ کہ اس کے لئے دھوم دھام اور میلہ لگانے اور مجمع کرنے کا لہذا اس سے پرہیز کریں۔ (۳) اسی طرح سوائے تعزیہ بنانے کے اور کسی لغویت کا جو ہندوستان میں تعزیہ دار کرتے ہیں جواز ثابت نہیں ہوتا۔ (۴) اسی طرح ہر سال بنانے بگاڑنے کا جواز بھی ثابت نہیں ہوتا۔

اگر آپ جواز تعزیہ کی دلیل بیان کرنے کے ساتھ مذکورہ بالا امور کا اعلان کردیتے، تو ہم یقین کرلیتے کہ آپ میں حقانیت ہے اور جواز تعزیہ کے قائل آپ نیک نیتی سے اور اپنی علمی تحقیق سے مجبور ہوکر ہوئے ہیں، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی دلیل سے تو (علی سبیل الفرض) صرف تعزیہ بنانے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور آپ اس کو منطبق کرتے ہیں ہندوستان کی تعزیہ داری پر، جو نام ہے مخصوص عشرۂ محرم میں ہر سال بالالتزام تعزیہ بنا کر اس کے گھمانے پھر دفن کرنے پھر بگاڑ دینے کا مع دیگر لوازم کے، تو ہمارے نزدیک آپ کی للّٰہیت اور نیک نیتی مشکوک ہوجاتی ہے۔

نقشہ نعل شریف اور تعزیہ کا فرق

اوپر کے بیان کو غور سے پڑھنے کے بعد آپ خود بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جو لوگ تعزیہ کو نقشہ نعل شریف پر قیاس کرتے ہیں، محض دھوکے میں ہیں یا جان بوجھ کر عوام کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، ورنہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، نقشہ نعل شریف کاغذ پر صرف تبرک کے لئے بنایا جاتا ہے، اس کے لئے نہ تو دن اور تاریخ مقرر ہے اور نہ سال سال کے لئے نقشے بنائے جاتے ہیں، نہ اس کے لئے کوئی دھوم دھام کی جاتی ہے، نہ امور غیر مشروعہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے، برخلاف تعزیہ کے کہ اس میں یہ ساری باتیں ہوتی ہیں، اور وہ صرف تبرک کے لئے نہیں، بلکہ انھیں خرافات کے لئے بنایا جاتا ہے، چنانچہ آپ کسی تعزیہ دار سے کہئے کہ محرم کے علاوہ کسی دوسرے دن میں خاموشی کے ساتھ صرف تعزیہ بنا کر گھر میں برکت کئے لئے رکھ لو، نہ ڈھول تاشا بجاؤ، نہ مجمع کرو، نہ اس کو گشت کراؤ، نہ اس کو بنا کر بگاڑو، نہ اور کوئی حرکت کرو، تو وہ تعزیہ دار آپ کی بات ہرگز نہیں مان سکتا، تو ایسی حالت میں کوئی جاہل اور بے عقل ہی تعزیہ کو نقشۂ نعل شریف پر قیاس کر سکتا ہے، پھر اگر تعزیے برکت ہی کے لئے بنائے جاتے ہیں، تو ان کو بگاڑ کر ان کی اہانت کیوں کی جاتی ہے، مسجد اور نقشۂ نعل شریف پر قیاس کرنے والے جہلا بتائیں کہ کہیں مسجدیں اور نقشے بھی بنا کر برباد کئے جاتے ہیں۔

علاوہ بریں خصوصیت سے حضرت حسینؓ ہی کے روضہ یا قبر کا نقشہ یا تصور کیوں باعث برکت ہے، اگر تبرک ہی منظور ہے تو گنبد خضرا اور مزار انور سے بڑھ کر

کس کا روضہ یا قبر ہوسکتی ہے؟ ہم جب ان تمام باتوں پر غور کرتے ہیں، تو ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ ہم کو مجوزین تعزیہ کی مذکورہ بالا ساری باتیں صرف شیطانی وسوسہ معلوم ہوتی ہیں۔

بعض جہال بے خرد یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ تعزیہ بنانا فی نفسہ جائز ہے، باقی خرافات جو اس کے ساتھ کی جاتی ہیں وہ البتہ منع ہیں، لہذا ان سے منع کرنا چاہئے نہ کہ تعزیہ بنانے سے۔

ہماری گذارش ان سے یہ ہے کہ جاہل اور عوام تعزیہ دار اس کو جائز نہیں بلکہ ضروری سمجھتے ہیں، اور ضروری ہی نہیں بلکہ مذہبی اور موجب تقرب کام جانتے ہیں، اس لئے وہ فی نفسہ بھی جائز نہیں ہے، نیز ہم بتا چکے کہ عوام انھیں خرافات ہی کے لئے تعزیے بناتے ہیں اور تعزیوں کا بنانا فی نفسہ مقصود نہیں ہوتا، بلکہ ان رسوم نامشروعہ کا بجالانا ہی مقصود ہوتا ہے، اور اگر اس میں آپ کو کلام ہو تو آپ زیادہ نہیں صرف ایک ہی تعزیہ دار کو اس طرح تعزیہ بنانے پر آمادہ کر دیجئے جس طرح آپ کی دلیل سے جائز ثابت ہوتا ہے، اور اس کو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

پھر یہ جہال بے خرد، حیا کو بالائے طاق رکھ کر یہ مثال بھی دیتے ہیں کہ جس طرح ریا کاری نماز میں نامشروع ہے، تو ریا کاری سے منع کرنا چاہئے نہ کہ نماز سے۔ ان عقل سے بیگانہ افراد کو کوئی سمجھائے کہ نماز تو اسلام کا اولین رکن ہے، تعزیہ بنانا کون سا رکن ہے۔

ان کو میں کس طرح سمجھاؤں کہ ایک فریضہ حتمی کے ساتھ کوئی نامشروع چیز شامل کی جائے گی، تو صرف اس نامشروع ہی کو منع کیا جائے گا، لیکن ایک ایسی چیز جو زیادہ سے زیادہ آپ کے خیال میں صرف جائز اور مباح ہے (وہ بھی صرف آپ کے

خیال میں ورنہ ہمارے نزدیک تو جائز بھی نہیں) اس کے ساتھ اگر کوئی نامشروع شامل نہ ہو صرف اس کا التزام کرلیا جائے اور اس کو ضروری سمجھا جانے لگے، اور اس کے تارک کو نفرت سے دیکھا جائے تو اتنے ہی سے وہ ممنوع ہو جائے گا، اور اگر اس کے ساتھ امور نامشروع بھی شامل ہو جائیں، تب اس کو منع کرنا اور بالکل بند کرنا اور کرانا ضروری ہو جائے گا۔ غور تو کیجئے فقہاء نے نماز میں التزام کے ساتھ ان سورتوں کے پڑھنے کو مکروہ قرار دیا جن کا کسی نماز میں پڑھنا رسول خدا ﷺ سے ثابت ہے، اور وجہ یہ لکھی ہے کہ التزام سے ناواقف آدمی یہ سمجھنے لگے گا کہ یہی متعین ہیں، (دیکھو شامی ص ۳۸۳ ج ۱)۔ اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں سلامِ نماز کے بعد ہمیشہ داہنی طرف سے، یا ہمیشہ بائیں طرف سے پھرنے یا مڑنے کو شیطان کا حصہ قرار دیا گیا، جب کہ ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو ضروری سمجھ لیا جائے۔

اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جس کام میں شبہہ پیدا ہو جائے کہ یہ بدعت ہے یا سنت تو اس کام کو چھوڑ دینا چاہئے (مجالس الابرار ص ۱۲۹ و شامی ص ۴۵۰ ج ۱)۔

تعزیہ کی تعظیم

بعض لوگ تعزیہ کی تعظیم کی یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ تعزیہ کو حضرت حسینؓ سے نسبت ہے، اور جو چیز کسی مقدس ہستی سے کوئی نسبت رکھتی ہو وہ قابل تعظیم ہے۔

ہم کو اس دلیل پر یہ کلام ہے کہ اولاً ہر ایسی چیز کا یہ حکم نہیں ہے، بلکہ شرط یہ ہے کہ وہ چیز ناجائز نہ ہو، اگر ناجائز ہوگی یا ناجائز عمل سے وجود میں آئی ہوگی، تو اس کا کوئی احترام نہیں، دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ اور حضرت مریم کی تصویریں تھیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو کعبہ سے نکلوایا اور ان کو مٹوادیا، دیکھئے ان تصویروں کو ان مقدسین سے نسبت تھی، مگر ان کی تعظیم کے بجائے ان کو نابود کرادیا گیا، اس واقعہ کے لئے بخاری و فتح الباری دیکھئے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کسی مقدس ہستی کے ساتھ اس کا انتساب صحیح اور واقعی ہو، جھوٹی اور وہمی نسبت سے کوئی عظمت پیدا نہیں ہوتی، تعزیوں میں یہ بات موجود نہیں ہے، پھر ان شرائط کے پائے جانے کے بعد بھی ضروری ہے کہ جو تعظیم کی جائے اس تعظیم کا ایسی چیزوں کے لئے شریعت سے ثبوت بھی ہو، لہذا تعزیہ کے لئے تعظیماً کھڑے ہو جانے والوں کو بتانا چاہئے کہ کسی روضہ یا قبر کی نقل کے لئے کھڑے ہونے کی بلکہ خود روضہ یا قبر کے لئے قیام تعظیمی کی شریعت سے کیا سند ہے؟

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس چیز کی تعظیم سے کوئی فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اگر ہوگا تو بجائے تعظیم کے اس چیز کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

دیکھیے وہ درخت جس کے نیچے رسالت مآب ﷺ نے حدیبیہ میں بیعت لی تھی، کتنا متبرک تھا! اس کے شرف کو یہی کیا کم تھا کہ اس کا ذکر قرآن پاک میں ہے، مگر جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ یہ درخت فتنہ بن جائے گا، اور لوگ نامشروع امور کا ارتکاب کرنے لگیں گے تو انھوں نے اس کو کٹوا دیا [مجالس الابرار] (۱)۔ یہی وجہ ہے کہ حقانی علماء نے کبھی تعزیہ کی نہ تعظیم کی نہ تعظیم کرنے کا حکم دیا، بلکہ جب سے عزادری یا تعزیہ سازی یا تعزیہ داری کا رواج ہوا، اس وقت سے ہمیشہ ان کے عدم جواز اور ان کے مٹانے کا حکم دیا، ہم اوپر ۱:- شیخ ابن حجر مکی، ۲:- علامہ محمد طاہر فتنی، ۳:- سید محمد شریف سمہودی، ۴:- علامہ محمد حیات سندی ثم المدنی، ۵:- اور علامہ مقریزی، ۶:- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ۷:- برہان الدین بخاری، ۸:- ابو الرجا زاہدی، ۹:- ملا احمد رومی کی تصریحات پیش کر چکے ہیں، اب چند اور علماء کے فتاوی جو بغیر کسی کد و کاوش کے ہماری نظر کے سامنے آگئے ہیں، ان کو بھی ہدیۂ قارئین کرام کرتے ہیں۔

(۱) ورواہ ابن سعد بسند صحیح کما فی الفتح والزرقانی ص ۲۰۷ ج ۲، ۱۲ منہ۔

عزاداری، تعزیہ سازی اور تعزیہ داری کے باب میں علماء کے فتاویٰ

(۱۰)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

فتاوی عزیزی مطبوعہ دہلی ص ۷۲ میں ہے:

تعزیہ داری در عشرۂ محرم وساختن ضرائح وصورت وغیرہ درست نیست، زیرا کہ تعزیہ داری عبارت ازین ست کہ ترک لذائذ و ترک زینت کند و صورت محزون وغمگین نماید یعنی مانند صورت زناں سوگ دارندہ بنشیند و مردرا ہیچ جا ازیں قسم درشرع ثابت نمی شود مگر زن را بعد وفات زوج خود چار ماہ ودہ روز سوگ آمدہ وماورائے زوج اگر کسے اقارب او بمیر دتا سہ روز اگر ترک زینت وغیرہ کند جائز است،

عشرۂ محرم میں تعزیہ داری اور تعزیے یا قبروں کی صورتیں بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ تعزیہ اس بات کا نام ہے کہ لذیذ چیزیں اور زینت چھوڑ دے، اور صورت کو غمگین بنائے، یعنی سوگ والی عورتوں کی طرح بیٹھے، مرد کو یہ بات کسی موقع پر شریعت سے ثابت نہیں ہے، ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس دن سوگ آیا، اور اگر شوہر کے سوا دوسرا رشتہ دار مرے تو عورت کو تین سوگ رکھنا

و بعد سہ روز آں را درست نیست، چنانچہ درحدیث آمدہ: لا تحل لامرأة تومن بالله و اليوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلث ليال الا علی زوج اربعة اشهر و عشراً (رواہ البخاری و مسلم) و نیز تعزیہ داری کہ ہمچوں مبتدعان می کنند بدعت است، و ہم چنیں ساختن ضرائح وصورت قبور و علم وغیرہ ایں ہم بدعت است، و ظاہر است کہ بدعت حسنہ کہ دراں ماخوذ نباشد نیست بلکہ بدعت سیئہ است۔

جائز ہے، تین دن کے بعد جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ کسی عورت کے لئے جو خدا اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو، حلال نہیں ہے کہ کسی مردہ پر تین دن سے زیادہ سوگ رکھے، مگر شوہر پر چار ماہ دس دن۔ نیز تعزیہ داری جس طرح اہل بدعت (روافض) کرتے ہیں بدعت ہے، اور اسی طرح تعزیہ اور قبروں کی صورتیں اور علم بنانا بھی بدعت ہے، اور ظاہر ہے کہ بدعت حسنہ نہیں ہے، جس میں پکڑ نہ ہو، بلکہ بدعت سیئہ ہے۔

نیز اسی کتاب کے ص ۷۳ پر تعزیہ داروں کی مجلس میں جانے کی نسبت حسب ذیل سوال و جواب مذکور ہے:

(سوال) دراں مجلس بنیت زیارت و گریہ وزاری حاضر شدن و در آنجا رفتہ مرثیہ و کتاب شنیدن و فاتحہ و درود خواندن جائز است یا نہ؟

(سوال) اس مجلس میں گریہ وزاری کی نسبت سے جانا اور جا کر مرثیہ و کتاب سننا اور فاتحہ و درود پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) دران مجلس بہ نیت زیارت و گریہ وزاری حاضر شدن ہم جائز نیست

اس مجلس میں گریہ زاری کی نیت سے جانا بھی جائز نہیں ہے (۱)، اس لئے کہ

(۱) بعینہ یہی بات مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے لکھی ہے، ان کی عبارت ص ۸۹ میں پڑھئے۔

زیرا کہ آنجا زیارت نیست، کہ برائے او حاضر شود، ایں چوبہا کہ ساختۂ او ہستند قابل زیارت نیستند، بلکہ قابل ازالہ اند، چنانچہ درحدیث شریف آمدہ: مَنْ رَأیٰ مِنْکُمْ مُنْکَراً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ، وَ ذٰلِکَ أَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (رواہ مسلم) ودر مجلس تعزیہ داری رفتہ، مرثیہ وکتاب شنیدن، اگر در مرثیہ و کتاب احوال واقعی نیست، بلکہ کذب افترا وتحقیر بندگان در ذکر، پس شنیدن ایں چنیں مرثیہ وکتاب درست نیست، بلکہ دریں قسم مجلس حاضر شدن ہم روا نیست، چنانچہ درحدیث شریف کہ نہی از شنیدن وخواندن مراثی واقع شدہ ہم چنیں مراثی است، عن ابنِ ابی اوفیٰ قالَ نَھیٰ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ

وہاں زیارت کی چیز نہیں ہے کہ اس کے لئے حاضر ہو، یہ لکڑیاں جو اسی کی بنائی ہوئی ہیں، زیارت کے قابل نہیں ہیں، بلکہ مٹانے کے قابل ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص کوئی غیر شرعی چیز دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹادے، اس کی طاقت نہ ہوتو زبان سے، اوراس کی بھی قدرت نہ ہوتو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا ادنی درجہ ہے، اور تعزیہ داری کی مجلس میں مرثیہ وکتاب سننا تو اگر مرثیہ وکتاب میں واقعی حالات نہ ہوں، بلکہ جھوٹ اور افترا اور بزرگوں کی تحقیر ہوتو ایسا مرثیہ سننا بھی جائز نہیں ہے(۱)۔ چنانچہ حدیث میں مرثیے سننے اور پڑھنے سے جو ممانعت آئی ہے اس سے ایسے ہی مرثیے مراد ہیں، ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

---

(۱) یہ ساری باتیں اسی طرح مولوی احمد رضاں خاں صاحب بریلوی نے بھی لکھی ہیں، دیکھو احکام شریعت حصہ اول ص ۸۹ ورسالہ تعزیہ داری، ہم نے اس کی عبارتیں آگے نقل کردی ہیں ۱۲ منہ۔

عَنِ الْمَرَاثِي (رواہ ابن ماجہ) وکتاب احوال واقعی باشد پس شنیدن ایں قسم مرثیہ وکتاب فی نفسہ مضائقہ نے، لیکن ہیئت ایں جماعت چنانکہ ایں مبتدعان می کنند نباید کرد کہ مشابہت از قوم مبتدعان می شود، واحتراز از بدعتیان ضروراست، چنانچہ در حدیث شریف وارداست: مَنْ تَشَبَّـهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ، ونیز داخل ایں حدیث است: مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ، وَ مَنْ رَضِيَ عَمَلَ قَوْمٍ كَانَ شَرِيكاً فِيمَنْ عَمِلَ (رواه الديلمي عن ابن مسعود، كذا ذكره السيوطي في جمع الجوامع) فاتحہ ودرود خواندن فی نفسہ درست است، لیکن دریں قسم نوع بے ادبی می شود، زیرا کہ ایں قسم محل قابل ازالہ و نابود کردن است، ونجاست معنوی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا، روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔ اور اگر مرثیہ و کتاب میں صحیح حالات ہوں تو اس قسم کا مرثیہ و کتاب سننے میں کوئی حرج نہیں تھا، لیکن اس مجلس کی وہ ہیئت ونوعیت جو اہل بدعت (شیعہ) اختیار کرتے ہیں نہ کرنی چاہئے، اس لئے کہ اہل بدعت کی مشابہت سے بچنا ضروری ہے، حدیث میں ہے کہ جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انھیں میں شمار ہوگا، نیز وہ اس حدیث میں داخل ہے کہ جو کسی جماعت کا مجمع بڑھائے تو وہ انھیں میں ہے، اور جو کسی جماعت کے فعل سے راضی ہو وہ بھی ان کا شریک گناہ ہے، اس کو دیلمی نے روایت کیا ہے، اور فاتحہ و درود فی نفسہ جائز ہے، لیکن صورت مسئولہ میں بے ادبی ہوتی ہے کہ ایسی مجلسیں مٹانے اور نابود کرنے کے لائق ہیں، اور معنوی نجاست۔

(۱۸)

مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی حنفی المتوفی ۱۲۸۵ھ

اپنے رسالہ القول الحسن (ص ۱۹) میں لکھتے ہیں:

''محرم کی دسویں کو عاشوراء کہتے ہیں، اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے، ....اور یہ دن بہت متبرک ہے،.......اور اس دن میں......اظہار غم کرنا جیسے چھاتی کوٹنا، سر پیٹنا، خاک اڑانا، ہائے ہائے کرنا، پان چھوڑنا، پلنگ پر نہ سونا، پوشاک نہ بدلنا، چوڑی توڑنا شرع سے ثابت نہیں ہے، اس باب میں کوئی حدیث صحیح پیغمبر خدا ﷺ اور ان کے اصحاب سے مروی نہیں ہوئی، اور چاروں اماموں سے ان چیزوں کی خوبی منقول نہیں ہوئی''

(۱۹)

مولانا حکیم لطف اللہ صاحب مفسر لکھنوی

اپنی تصنیف منیف مظہر العجائب (سن تصنیف ۱۲۸۲ھ) کے ص ۳۶۷ میں لکھتے ہیں:

''قبروں یا تعزیوں کے آگے دستہ بستہ کھڑے ہونا، ان کے سامنے جھکنا، ان پر پیشانی رکھنی، دور دراز سے زیارت کو آنا، ان کے گرد گھومنا، چومنا، مشکل کشا وغیرہ کا روزہ رکھنا اسی شرک کی فرع ہے''۔

اور ص ۳۶۸ میں حرام بدعتوں کے بیان کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

ازاں جملہ مبتدعات عسر فیہ جیسے عاشورے کے دنوں میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا بیان مقرر کرنا، مرثیہ پڑھنا، سر کوٹنا، چھاتی پیٹنا، تعزیہ بنانا، علم اٹھانا۔

اور ص ۱۸۱ میں رقم طراز ہیں:

ان کے (یعنی شیعوں کے) صبر کا یہ عالم ہے کہ بالعکس جزع، فزع، ماتم کو ثواب بتاتے ہیں، اور جھوٹی حدیث سناتے ہیں کہ **من بکیٰ علی حسین أو أبکیٰ أو تباکیٰ و جبت له الجنة** (۱)، امام حسینؓ کے غم میں جو روئے یا رلائے، یا رونا منھ بنائے، اس پر جنت واجب ہے، حال آنکہ گریہ اور بکا، اور شیون اور نوحۂ غم افزا، نساء (عورتوں) تک کو ممنوع ہے، چہ رجال، چنانچہ کلینی (شیعہ) میں امام سجاد کا ارشاد ہے کہ: **انما تحتاج المرأة الى النوح حتى يسيل دمعها، ولا ينبغي لها ان تقول هجراً** (یعنی عورت نوحہ کی طرف اسی قدر تک محتاج ہے کہ اس کی آنکھوں سے کچھ آنسو بہہ جائیں اور سزاوار نہیں اس کو بھی کہ لغو باتیں بکے یعنی مردے کا بیان کرے)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔، غرض یہ ہے اس قوم کی بے صبری کا حال اور ان کی بے صبری کے اسباب میں عمدہ یہی تعزیہ سزاوار تجزیہ (یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے قابل) ہے کہ چوب چند بیش نہیں، حالانکہ اس کے حق میں مصنف **من لا يحضر** شیعی بتاتا ہے کہ **من جدد قبراً او مثل مثالاً فقد خرج عن الاسلام** (یعنی جس نے کسی قبر کو پھر سے بنایا

---

(۱) شیعہ مولف نے اس جھوٹی حدیث کو ملا حسین کاشفی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، سنی حضرات ملاحظہ فرمائیں کہ مولانا لطف اللہ نے اس کو جھوٹی قرار دیا ہے، ۱۲ منہ۔

یا بنائی کوئی تمثال (تصویر) تو وہ ضرور دین اسلام سے نکل گیا) اور مولف در منثور سنی فرماتا ہے کہ: من زار قبراً بلا مقبور فهو ملعون (جس نے زیارت کی ایسی قبر کی جس میں مردہ نہ ہو تو وہ ملعون ہے)

(۲۰)

حضرت مولانا نواب قطب الدین خاں صاحب دہلوی

صاحب "مظاہر حق" المتوفی ۱۲۷۹ھ اپنے رسالہ "گلزار جنت" ص ۵۹ میں لکھتے ہیں:

"پس بدعت اور نو احداث دین میں تو ہے، تعزیہ اور مہندی اور چھڑی مدار و سالار کی"

اور تحفۃ الزوجین ص...... میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا مذکورہ بالا فتوی پورا نقل کرنے کے بعد ص ۷۴ میں لکھتے ہیں:

"مولانا مرحوم کی تقریر سے یہ بات صاف ٹپکتی ہے کہ جو کوئی تعزیہ وغیرہ کو اچھا جان کر بناوے یا دیکھنے جاوے وہ خارج ہو جاتا ہے دائرۂ اسلام سے، پس تم کو آپ بھی اس سے بچنا چاہئے، اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ کہ نہ جانے دو"

(۲۱)

مولانا شہود الحق بہاری، مفتی سعد اللہ، مولانا ارشاد حسین رامپوری وغیرہم

۱۲۹۳ھ میں، مولانا شہود الحق بہاری سے کسی نے استفتاء کیا کہ "اس طعام کا کیا حکم ہے جو امام حسینؓ کے تقرب اور نیاز کے لئے تعزیہ پر چڑھایا جاتا ہے یا امام کے چبوترے پر رکھا جاتا ہے"؟

مولانا نے اس کے جواب میں لکھا کہ: ''اس کا کھانا حرام ہے، اس لئے کہ وہ منذور لغیر اللہ ہے، اور منذور لغیر اللہ کا کھانا حرام ہے، اور یہ فعل بھی حرام ہے بلکہ شرک اور کفر ہے''۔

مولانا کا یہ مدلل فتوی دوسرے علمائے وقت کے سامنے بھی پیش ہوا، اور انھوں نے مولانا کی تائید کی، مویدین میں مفتی سعد اللہ صاحب، مولانا ارشاد حسین رامپوری، شاہ سلیمان صاحب پھلواری، اور شاہ علی نعمت پھلواری وغیرہم کے نام ہیں، یہ فتوی ان علماء کے مہروں سے مزین ہو کر ۱۳۰۱ھ میں مطبع قیصری عظیم آباد میں چھپا ہے۔

(۲۲)

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

اپنے فتاوی جلد سوم ص ۱۲۷ میں لکھتے ہیں:

(سوال) تعزیہ را بطور تماشہ نہ بنظر اعتقاد دیدن درست است یا نہ؟	(سوال) تعزیہ کو اعتقاد کی نگاہ سے نہیں بلکہ تماشا کے طور پر دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟
(جواب) در تعزیہ تماشا چیست؟ امر بدعت را نہ باید کردید، امر بدعت قابل ازالہ است بدست، یا بزبان دفع باید کرد، و اگر نتواند بدل بد باید دانست، و ذلک اضعف الایمان۔	(جواب) تعزیہ میں تماشا کیا ہے؟ بدعت چیز کو نہ دیکھنا چاہئے، بدعت چیز مٹانے کے قابل ہے، اس کو ہاتھ یا زبان سے مٹانا چاہئے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جاننا چاہئے، اور یہ ایمان کا ادنی درجہ ہے، (۱)

(۱) تنبیہ:- اس فتوی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے فتوے مندرجہ احکام شریعت حصہ اول ص ۱۷۵ سے ملا کر دیکھئے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ ۱۲ منہ

(سوال) از تعزیہ مراد خواستن درست است، یا نہ؟

(جواب) نہ فانها لا تَسْمَعُ و لا تُبْصِرُ و لا تُغْنِيْ عَنكَ شيئاً و اگر فاعل ایں فعل تعزیہ را مستقل در انجاح مرام می داند کافر است۔

(سوال) تعزیہ سے مرادیں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) نہیں اس لئے کہ نہ وہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ تمہارے کچھ کام آ سکتے ہیں، اور اگر تعزیوں کو مستقل حاجت روا جانے تو کافر ہے۔

اور ص ۱۱۹ ج ۲ میں ہے:

(سوال) چوک و چبوترۂ امام قابل تعظیم است یا نہ؟

(جواب) نہ، زیرا چہ اثرے ازاں در شریعت محمدیہ پیدا نیست، وخود تراشیدہ و ساختہ را قابل تعظیم دانستن فعل بے عقلاں است۔

(سوال) امام کا چوک و چبوترہ لائق تعظیم ہے یا نہیں؟

(جواب) نہیں، اس لئے کہ اس کا کوئی نشان شریعت میں نہیں ہے، اپنی گڑھی ہوئی چیز کو لائق تعظیم جاننا بے عقلوں کا کام ہے۔

اور ص ۱۱۹ ج ۲ میں ہے:

(سوال) تعزیہ امام مظلوم ساختن و بخانہ داشتن و احترامش نمودہ گریہ و بکا نمودن و حرکات شیعہ کردن جائز است یا نہ؟

(جواب) تعزیہ داری در عشرۂ محرم و غیرآں و ساختن ضرائح وصورت قبور

(سوال) امام مظلوم کا تعزیہ بنانا، اور اس کو گھر میں رکھنا، اس کا احترام کر کے رونا دھونا، اور ناپسندیدہ حرکتیں کرنا، جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) تعزیہ داری عشرۂ محرم میں ہو یا کسی دوسرے دن، اور تعزیے اور قبروں

وعلم، وتیار کردن دلدل، وغیر ذلک ایں
ہمہ امور بدعت است، نہ در قرن اول
بود، نہ در قرن ثانی، نہ در قرن ثالث،
واصلے دریں باب کہ ازاں جہت
موجب بزہ کاری نباشد پیدا نیست،
خود تراشیدہ ومصنوعہ را قابل احترام
فہمیدن عبدۃ الاصنام را نشان می دہد
امر نو را، در دین احداث کردن موجب
افتخار و باعث اجر دانستن طرفہ ماجرا
ست، امر ثواب وعقاب عقلی نیست،
بلکہ توقیفی است، آنچہ شارع حکم دہد،
بداں کاربند باید شد.........ایں چوبہا
کہ ساختہ انسان است وآنچہ در کفایہ
شعبی حدیثے وارد شدہ و جہال نا
واقفان اورا سند مطلب خود قرار دادہ
جواز تعزیہ را ازان استنباط می نمایند،
قال فی کفایة الشعبی: ان رجلاً
جاء الی النبي ﷺ فقال یا
رسول الله اني حلفت ان اقبل
عتبة باب الجنة والحور العین

کی صورت بنانا یا علم یا دلدل نکالنا وغیرہ
وغیرہ سب بدعت ہیں، یہ چیزیں نہ
قرن اول میں تھیں، نہ ثانی میں، نہ
ثالث میں، اور اس باب میں کوئی اصل
بھی نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے گنہگاری
نہ ہو، اپنی گڑھی اور تراشی ہوئی چیز کو
لائق تعظیم جاننا بت پرستوں کا شیوہ تھا،
نئی بات دین میں ایجاد کرنا، اور اس کو
باعث فخر وموجب ثواب جاننا عجیب
ماجرا ہے، ثواب وعقاب کا معاملہ عقلی
نہیں ہے توقیفی ہے۔ جو شارع حکم
دیں اس پر کاربند ہونا چاہئے،......یہ
لکڑیاں جو خود ساختہ ہیں مٹانے کے
قابل ہیں، اور وہ جو کفایہ شعبی میں ایک
روایت نقل کی ہے، اور جاہل ناواقف
اپنے مطلب کی سند قرار دے کر اس
سے تعزیہ کا جواز نکالتے ہیں، اور وہ
روایت یہ ہے کہ: ایک شخص
آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور
کہا کہ میں نے جنت کے دروازے

فامره النبي علیہ صلی اللہ علیہ وسلم ان يقبل رجل الام(كــــذا) و جبهة الاب و يروى انـه قـال ان لـم يكن لي ابـوان فقال قبرهما، قال فان لم اعرف قبرهما قال خط خطين وا نُوبِـأن احـدهـمـا قبر الام و الآخر قبـر الاب فـقبـلهـمـا فلا تحنث في يمينک كذا في كنز الـعـبـاد۔ وجوابش باید شنید کہ ایں روایت چنداں معتبر نیست، درحدیث صورت مجہول بودن گور پدر و مادر مذکور است، معلوم را بر مجہول باشد تحری جائز است، چوں موضع قبر حضرت امامین علیہا الرضوان معلوم است، زیارت تابوت مصنوع چہ معنی دارد، والا لازم آید کہ زیارت قبر مصنوع و حج

کی چوکھٹ اور حورعین کو چومنے کی قسم کھالی ہے، تو حضرت نے اس کو ماں کا پاؤں اور باپ کی پیشانی چومنے کا حکم دیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے پھر کہا کہ اگر ماں باپ نہ ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ ان کی قبروں کو بوسہ دو، اس نے کہا کہ اگر ان کی قبروں کو میں نہ پہچانوں؟ تو حضرت نے فرمایا کہ دو خط کھینچ کر ایک کو ماں کی دوسرے کو باپ کی قبر خیال کر کے بوسہ دے لو، تو قسم پوری ہو جائے گی (کنز العباد)(۱) تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت چنداں معتبر نہیں ہے، روایت میں قبر معلوم نہ ہونے کی صورت کا بیان ہے، لہٰذا معلوم کو نا معلوم پر قیاس کرنا جہالت سے خالی

(۱) کنز العباد فقہی حیثیت سے بھی نامعتبر ہے، جیسا کہ مولنا عبدالحیؒ نے النافع الکبیر ص...... میں لکھا ہے، لہٰذا کسی حدیث کے لئے اس کا حوالہ کہاں تک لائق التفات ہوسکتا ہے، ۱۲ منہ۔ صاحب کنز العباد نے اس حدیث کو بلا سند اور بلا حوالہ ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث قطعاً معتبر نہیں ہے، جب تک اس کی سند معتبر یا علمائے حدیث کا اس پر اعتماد ظاہر نہ ہو، جیسا کہ مولنا عبدالحی نے اجوبہ فاضلہ ص ۴۰ میں ایسی حدیثوں کے قبول کا ضابطہ بیان کیا ہے۔

گزاردن برائے کعبہ مصنوعہ وعرفات مصنوعہ نیز جائز باشد، ولم یقل بہ احد، واگر بخیال بگزرد کہ ایں تعزیہ را واسطہ تذکر حضرات امامین می دانیم پس باید شنید کہ تذکر بہماں طریقہ و واسطہ می باید کہ در شرع محمدی جائز است چرا کہ نصاریٰ ہم چلیپا برائے تذکر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام تیار می نمایند، کدام فرقے دریں خواہد بود، وعلت مستحب ہر علتے کہ باشد مستحب بودنش در شریعت محمدیہ علیٰ صاجہا الف صلوۃ و تحیۃ ثابت نہ شدہ، وہیچ قاعدہ اصول براں دال نیست، آرے موقوف علیہ تام کہ برائے مستحب باشد، اگر از قبیل افعال اختیاریہ است مستحب است، لیکن تعزیہ پر ظاہر است کہ موقوف علیہ تام نیست، بخیال مصائب کربلا بدون تعزیہ از چشم اکثر مردمان اشکہا جاری می شود، وسینہ کوبی وشق کردن پارچہ و نوحہ کردن و خاک

نہیں، دیکھو قبلہ نہ معلوم ہونے پر تحری جائز ہے، جب حضرت حسن وحسین کی قبروں کا پتہ معلوم ہے تو بناوٹی تابوت کی زیارت بے معنی ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ بناوٹی مزاروں کی زیارت بناوٹی کعبہ اور مصنوعی عرفات کا حج بھی جائز ہو، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں، اور اگر یہ خیال ہو کہ ہم اس تعزیہ کو حضرات حسنینؓ کی یاد کا ذریعہ سمجھتے ہیں، تو معلوم ہونا چاہئے کہ کسی کی یاد اسی طریقہ سے کرنی چاہئے جس طریقہ سے شریعت میں جائز ہے، اس لئے کہ عیسائی بھی حضرت عیسیٰ کی یاد کے لئے صلیب بناتے ہیں تو اِس میں اُس میں کیا فرق ہوگا، کسی پسندیدہ چیز کی ہر علت کا پسندیدہ ہونا شریعت میں ثابت نہیں، نہ کوئی اصولی قاعدہ اس پر دلالت کرتا ہے، ہاں! مستحب کا موقوف علیہ تام اگر فعل اختیاری ہو تو مستحب ہے، لیکن تعزیہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ موقوف علیہ تام نہیں ہے، کربلا کے

بر سر انداختن وموہا را منتشر ساختن امور از قبیل منہیات وممنوعات است، ودر حدیث بر نائحہ لعنت آمدہ است، ودر مجمع البرکات می آردو یکرہ للرجل تسوید الثیاب و تخریقھا للتعزیة و اما تسوید الخدود و الایدی و شق الجیوب و خدش الوجوہ و نشر الشعور و نثر التراب علی الرؤس و الضرب علی الصدر و الفخذ و ایقاد النار علی القبور فمن رسوم الجاھلیة و الباطل (کذا فی المضمرات انتھی)

مصائب کے خیال سے بدون تعزیہ کے اکثر آدمیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اور چھاتی پیٹنا، کپڑے پھاڑنا، نوحہ کرنا، خاک سر پر ڈالنا، اور بالوں کو پریشان کرنا حرام کاموں میں سے ہے، حدیث میں نوحہ گر عورت پر لعنت آئی ہے، مجمع البرکات میں ہے کہ مرد کو سیاہ کپڑا پہننا اور پھاڑنا، منہ نوچنا، بال پریشان کرنا، خاک اڑانا، سینہ اور منہ پر ہاتھ مارنا، اور قبروں پر آگ جلانا جاہلیت کی رسمیں ہیں۔

اورص ۱۰۶ میں ہے:

شیرینی وغیرہ کہ روبروئے اصنام یا بر قبور یا پیش تعزیہ می نہند حرام است، یا حلال؟

(سوال) شیرینی وغیرہ جو بتوں یا قبروں یا تعزیوں کے آگے رکھتے ہیں، حلال ہے یا حرام؟

(جواب) اگر بہ نیت تقریب وخوشامد و چاپلوسی نہادہ شود وغرض تصدق نہ باشد حرام است، و الا خالی از کراہت نیست۔

(جواب) اگر تقرب وخوشامد و چاپلوسی کی نیت سے رکھے اور صدقہ کی نیت نہ ہو تو حرام ہے، ورنہ کراہت سے خالی نہیں۔

اور جلد اول ص ۱۱۱ میں فرماتے ہیں:

ذکر شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ را چند صورت است، اول واعظ و حضار مجلس ماتم سازند و جامہائے خود را پارہ پارہ سازند و بدیگر افعال شنیعہ کہ از خواص شیعہ اند مرتکب شوند، دریں صورت در حرمت ایں چنیں وعظ و مجلس شکے نیست۔

حضرت حسینؓ کی شہادت بیان کرنے کی کئی صورتیں ہیں، (اول) واعظ اور حاضرین مجلس ماتم کریں، اپنے کپڑے پھاڑیں، اور دوسرے ممنوع کام کریں، جو شیعوں کے خواص سے ہیں، تو اس وعظ و مجلس کی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے۔

اس کے بعد ابن حجر مکی شافعی اور زاہدی حنفی کی عبارتیں ثبوت میں پیش کی ہیں، جن کو ہم نقل کر چکے ہیں۔

دوم ایں کہ واعظ ذکر مقتل امام را از اخبار موضوعہ و اکاذیب متداولہ کند، در وعظ خود را از اہانت اہل اسلام و انواع اتہام بر سلف کرام پر سازد، در حرمت ایں صورت ہم شک نیست، و حکم امام غزالی کہ بحرمت ذکر شہادت صادر شدہ بر ہمیں صورت محمول است، .... صورت سوم ایں کہ واعظ برائے ذکر شہادت عقد مجلس چنانچہ روافض می کنند، کندو روزے برائے

(دوم) واعظ شہادت کا بیان موضوع اور جھوٹی روایتوں سے جو رائج ہیں کرے، اور وعظ میں اہل اسلام کی اہانت کرے، اور سلف پر تہمتیں لگائے اس صورت کے حرام ہونے میں بھی شک نہیں ہے، امام غزالی نے اسی صورت سے بیان شہادت کو حرام کہا ہے، (سوم) واعظ بیان شہادت کے لئے خاص اہتمام سے مجلس منعقد کرے، اور اس کے لئے کوئی دن

آں خاص کند، ایں صورت خالی از کراہت نیست، بسبب تشبہ روافض، ولہذا در جامع الرموزمی نویسند: و اذا اراد ذکر مقتل الحسین ینبغی ان یذکر اولاً مقتل سائر الصحابة، لئلا یشابه الروافض کما في العون، صورت چہارم اینکہ واعظ ذکر شہادت از اخبار صحیحہ سازد و در بیان خود افراط وتفریط کہ موجب بغض صحابہؓ یا اہانت اہل اسلام باشد نہ سازد، ومجلس خود را از بدع روافض محفوظ دارد، واز تخصیص یومے وعقد مجلس چنانکہ روافض می سازند، وغرض آں مجرد ذکر مصائب و استرجاع برآں باشد امریست مشروع، الخ۔

معین کرلے، تو یہ صورت بھی کراہت سے خالی نہیں، بوجہ شیعوں سے مشابہت کے، جامع الرموز میں ہے کہ جب واعظ شہادت حسینؓ بیان کرنے کا ارادہ کرے، تو پہلے دوسرے صحابہؓ کی شہادتوں کا بیان کرے، تاکہ رافضیوں کی مشابہت نہ ہو، (چہارم) ۱- واعظ صحیح روایتوں سے بیان شہادت کرے، ۲- بیان میں افراط وتفریط نہ کرے، جو صحابہؓ کی دشمنی یا اہل اسلام کی اہانت کا سبب بنے، ۳- مجلس کو روافض کی بدعتوں سے محفوظ رکھے، ۴- کوئی دن معین نہ کرے، جیسے روافض کرتے ہیں، ۵- ویسے مجلس منعقد نہ کرے، ۶- اور اس کی غرض مصائب کا ذکر کرکے صرف اناللہ پڑھنا ہوتو یہ مشروع ہے۔

اوراسی کے قریب ص ۲۳۹ میں بھی ہے۔

(۲۳)

تنبیہ الغافلین میں ہے:

’’جس قبر میں لاش نہ ہو، اس کو سلام کرنا، اس کی زیارت کرنی، تعظیم بجا

لانی، کسی کے غم میں گریبان پھاڑنا، بین کرنا، سبز و سیاہ و نیلے کپڑے محرم میں پہننے اور بدھی پہننی اور اس سے تقرب حاصل کرنا امام علیہ السلام سے، بدعت سیئہ اور حرام ہے، اور نصاریٰ کی چال سے ہے،.......روافض نے ان سے سیکھا ہے،.........محرم میں تعزیہ بنانا، علم اور شدہ، بیرق، نیزہ کھڑا کرنا، یہ سب نُصُب ہیں، ان کا کرنا بطور عبادت کے کفر ہے، اور کسی کی خاطر سے یا اپنی نمود اور اپنی بزرگی دکھانے کو کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور اگر حلال جان کر کرے اور اس پر اصرار کرے، تو کفر صریح ہے،.......اور یہ چیزیں رافضیوں کے مذہب میں بھی حرام ہیں، چنانچہ ابن بابویہ قمی نے من لا یحضر الفقیہ میں تعزیت کے نوادر کے باب میں جنائز کے آخر کتاب میں لکھا ہے۔ (ص ۵۶، ۵۷ مطبوعہ لاہور)

اور اسی کتاب کے ص ۷۰ میں ہے:

باقی جتنی رسمیں بدعتی فرقے کیا سنی، کیا شیعہ عمل میں لاتے ہیں، اور دوستی کے پردے میں امام علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں، کیونکہ انھوں نے جان تک دیدی، پر بدعتی کی فرمانبرداری نہ کی، اور یہ بے حیا بدعت کے کام کر کے ان سے دوستی پیدا کیا چاہتے ہیں، اور رضا و صبر کے مرتبہ میں ان کے بٹا لگاتے ہیں، اور ظالموں کے ظلم اور بے ادبی کی حقیقت اور ان کی بے کسی و ناچاری کی ہر سال نئی وضع سے تمام شہر کی گلیوں اور کوچوں اور بازاروں میں سوانگ بنا بنا کر ناچتے کودتے بیان کرتے پھرتے ہیں۔

(۲۴)

جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کی نسبت ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ''وہابیوں'' اور ''وہابیت'' سے ان کو کتنا بیر تھا، ان کی ساری عمر ہی ''وہابیت'' کے خلاف ''جہاد'' میں گذری ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مذکورۂ بالا تصریحات کی تائید میں مولوی صاحب ممدوح کی تصریحات بھی پیش کردوں، تا کہ ہر مخالف وموافق پر شیعہ مولف کے اس گمراہ کن پروپگنڈے کی حقیقت ظاہر ہوجائے، کہ تعزیہ داری کی مخالفت کرنا صرف وہابیوں کا کام ہے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنے فتاوی موسومہ عرفان شریعت حصہ اول ص ۱۵ میں لکھتے ہیں: ''تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض وروگردانی کریں، اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہئے (۱)۔

اور ص ۱۶ میں ہے:

مسئلہ:۔ محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) ناجائز ہے، کہ وہ مناہی ومنکرات سے مملو ہوتے ہیں۔

اور اپنے فتاوی موسومہ احکام شریعت حصہ اول ص ۸۹ میں لکھتے ہیں:

مسئلہ نمبر (۴۹):۔ کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ رافضیوں کی مجلس میں

---

(۱) اس میں شاہ عبدالرحمن صاحب کے اس کلام کا جس کو مؤلف نے ص ۱۲۴ میں نقل کیا ہے اور شاہ محمد فائق کے اس تحریر کا جس کو مؤلف نے ص ۱۴۶ و ص ۱۵۱ میں نقل کیا ہے، اور ازالۃ الاوہام والے کی اس وہم پرستی کا جس کو مؤلف نے حاشیہ ص ۱۵۶ میں ذکر کیا ہے صریح رد ہے ۱۲ منہ

مسلمانوں کا جانا اور مرثیہ سننا، ان کی نیاز کی چیزیں لینا، خصوصاً آٹھویں محرم کو جب کہ ان کے یہاں حاضری ہوتی ہے، کھانا جائز ہے یا نہیں، محرم میں بعض مسلمان ہرے رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں، اور سیاہ کپڑوں کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:- جانا اور مرثیہ سننا حرام ہے، اور ان کی نیاز کی چیز نہ لی جائے، ان کی نیاز، نیاز نہیں ہے، اور غالباً نجاست سے خالی نہیں ہوتی، کم از کم ان کے قلتین کا پانی ضرور ہوتا ہے، اور حاضری سخت ملعون ہے، اور اس میں شرکت موجب لعنت، محرم میں سیاہ، سبز کپڑے علامت سوگ ہیں، اور سوگ حرام ہے، (۱) خصوصاً سیاہ کہ شعار رافضیان لئام ہے............

مسئلہ نمبر (۵۰):- ....کیا فرماتے ہیں........مسائل ذیل میں:

۱:- بعض [اہل] سنت و جماعت عشرۂ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے ہیں، نہ جھاڑو دیتے ہیں، کہتے ہیں بعد دفن روٹی پکائی جائے گی۔

۲:- ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے ہیں۔

۳:- ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔

الجواب:- تینوں باتیں سوگ کی ہیں اور سوگ حرام ہے۔

اور احکام شریعت حصۂ دوم ص ۱۰ اور ص ۱۲ میں ہے:

سوال:- رافضیوں کے یہاں محرم میں ذکر شہادت و مصائب شہدائے کربلا و سوز خوانی و مرثیہ انیس و دبیر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:- حرام ہے، ع کند ہم جنس با ہم جنس پرواز، حدیث میں ارشاد ہوا:

---

(۱) اس فقرے نے ہادی علی خاں کے ان خیالات فاسدہ کے پرخچے اڑا دیے، جن کو شیعہ مولف نے ۸۴ تا ۸۵ میں نقل کیا ہے۔

الا تجالسوھم، ان کے پاس نہ بیٹھو، دوسری حدیث میں فرمایا: من کثر سواد قوم فھو منھم جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ ان میں ہے۔

موصوف کی ایک مستقل تصنیف ''رسالہ تعزیہ داری'' کے نام سے بار بار چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس کے ص ۲ تا ص ۴ میں لکھتے ہیں:

''تعزیہ کی اصل اس قدر تھی، کہ روضہ..... حسین شہیدؓ.....کی صحیح نقل بنا کر بہ نیت تبرک مکان میں رکھنا اس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا،.........مگر جہال بے خرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کر کے صدہا خرافات وہ تراشیں کہ شریعت مطہرہ سے الامان الامان کی صدائیں آئیں، اول تو نفس تعزیہ میں روضۂ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی، ہر جگہ نئی تراش، نئی گڑھت، جسے اس نقل سے کوئی علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں اور بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ و دشت بہ دشت اشاعت غم کے لئے ان کا گشت، اور ان کے گرد سینہ زنی، اور ماتم سازی کی شور افگنی، کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغول طواف، کوئی سجدے میں گرا ہے، کوئی ان مایۂ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علی جدہ وعلیہ الصلوۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنّی سے مرادیں مانگتا، منتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے، پھر باقی تماشے، باجے تاشے، مردوں اور عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں، غرض عشرۂ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا،.........جشن یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضرات شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جنازے ہیں، کچھ نوچ، اتار، باقی توڑ تاڑ دفن کر دئے، یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم و وبال جداگانہ

رہے،............اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت وناجائز و حرام ہے،...............اور اگر نظر شوق ومحبت میں نقل روضۂ انور کی حاجت تھی تو اسی قدر جائز پر اکتفا کرتے، کہ صحیح نقل بغرض تبرک وزیارت اپنے مکانوں میں رکھتے، اور اشاعت غم وتصنع الم ونوحہ زنی (ماتم کشی) ودیگر امور شنیعہ وبدعات قطعیہ سے بچتے تو اس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا، مگر اب اس نقل میں بھی اہل بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے۔..........لہذا روضۂ اقدس حضور سید الشہداء کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے (۱)۔

اور اسی رسالہ کے ص ۱۵ میں حسب ذیل سوال جواب مذکور ہے:

سوال: تعزیہ بنانا اور اس پر نذر ونیاز کرنا، عرائض بامید حاجت برآری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخل حسنات جاننا............کتنا گناہ ہے؟

الجواب: افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت سیئہ و ممنوع وناجائز ہیں، انھیں داخل ثواب جاننا اور موافق شریعت اور مذہب اہل سنت ماننا اس سے سخت تر، خطائے عقیدہ وجہل اشد ہے۔

اور اسی رسالہ کے ص ۴ میں لکھتے ہیں:

شہادت نامے نثر ہوں یا نظم، جو آج کل عوام میں رائج ہیں، اکثر روایات باطلہ و بے سرو پا سے مملو اور اکاذیب موضوعہ پر مشتمل ہیں، ایسے بیان کا پڑھنا، سننا.......خواہ کہیں ہوں،.........مطلقاً حرام وناجائز ہے، خصوصاً جب کہ وہ بیان

---

(۱) اس فقرے میں شاہ عبدالرحمٰن صاحب کے ملفوظات انوارالرحمٰن کی اس عبارت کا نہایت معقول رد ہے جس کو شیعہ مؤلف نے ص ۱۵۵ میں نقل کیا ہے، نیز مؤلف نے اس جگہ جو حاشیہ لکھا ہے اس کا رد بھی اس فقرہ سے ہوگیا، اسی طرح شاہ محمد فائق کے تخیلات کی بھی دھجیاں اڑ گئیں ۱۲ منہ

ایسی خرافات کو متضمن ہو، جن سے عوام کے عقائد میں تزلزل واقع ہو، تو پھر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے، ایسے وجوہ پر نظر فرما کر امام...... غزالی...... وغیرہ ائمہ کرام نے حکم فرمایا کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے(۱)......... یوں ہی جب کہ اس سے مقصود غم پروری و تصنع حزن ہو تو یہ نیت بھی شرعاً نامحمود، شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے، نہ کہ غم معدوم کو بہ تکلف وزور لانا(۲)، نہ کہ بہ تصنع وزور بنانا، نہ کہ اسے باعث قربت وثواب ٹھہرانا(۳)، یہ سب بدعات شنیعہ روافض ہیں، جن سے سنی کو احتراز لازم ہے،........... مجلس خواں اگرچہ بالفرض صرف روایات صحیحہ بروجہ صحیح پڑھیں، تاہم جوان کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکر شہادت پڑھنے سے ان کا مطلب بھی بہ تصنع رونا بہ تکلف رلانا، اور اس رونے رلانے سے رنگ جمانا ہے، اس کی شناعت (برائی) میں کیا شبہ ہے،.......... ذکر فضائل شریف مقصود ہوتا تو، کیا ان محبوبان خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی، بے شمار مناقب عظیم اللہ عز وجل نے انھیں عطا فرمائے ہیں، انھیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بالفاظ رقت خیز ونوحہ نما ومعانی حزن انگیز وغم افزا بیان کو وسعتیں دینا انھیں مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے۔ غرض عوام کے لئے

---

(۱) اس میں ذخیرۃ المآل کی اس عبارت کا جواب ہے، جس کو شیعہ مؤلف نے ص۱۶۰ میں نقل کیا ہے۔
(۲) اس فقرہ میں ان روایات کا جواب ہے جن کو شیعہ مؤلف نے ص۹ تا ۱۲ میں نقل کیا ہے، نیز اس میں ہدایۃ العداء کی ان روایات کا بھی رد ہے جن کو شیعہ مؤلف نے ص۱۰۴ تا ص۱۰۸ میں نقل کیا ہے ۱۲ منہ۔
(۳) اس فقرہ میں روضۃ الشہداء کی روایت من بکی علی الحسین اور تباکیٰ الخ کے موضوع ہونے کی طرف اشارہ ہے، شیعہ مؤلف نے اس جعلی روایت کو ص۹۳ میں نقل کیا ہے، نیز اس میں انیس الذاکرین، عناصر الشہادتین، مادہ مخزن، تقریر الشہادتین، شہادت حسین وغم حسین کی عبارتوں کا بھی رد ہے، جن کو شیعہ مؤلف نے ص۸۷، ص۹۷، ص۸۲ میں نقل کیا ہے ۱۲ منہ۔

اس میں کوئی وجہ سالم نظر آنا دشوار ہے۔

اور ص ۱۱ میں لکھتے ہیں:

کتب شہادت جو آج کل رائج ہیں، اکثر حکایات موضوعہ و روایات باطلہ پر مشتمل ہیں، یوں ہی مرثیے، ایسی چیزوں کا پڑھنا، سننا سب گناہ وحرام ہے،.......... رسول اللہ ﷺ نے مرثیوں سے منع کیا ہے،........ ایسے ذکر شہادت کو امام حجۃ الاسلام وغیرہ علمائے کرام نے منع کیا ہے۔

اور ص ۱۳ میں لکھتے ہیں:

تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا نہ چاہئے،........ اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دلائیں تو بھی اس کے کھانے سے احتراز چاہئے۔

اور ص ۱۴ میں لکھتے ہیں:

اس مجموعۂ بدعات (تعزیہ) کو اس (مسجد) سے کیا نسبت مگر جہل مرکب سخت مرض والعیاذ باللہ............

پھر لکھتے ہیں کہ:

اگر یہ مراد ہے کہ تعزیہ شرعاً اچھی چیز ہے،............ تو یہ بہت برا کہا اور شرع پر افترا کیا۔

اور ص ۱۵ میں اس سوال کے جواب میں کہ ''مجلس مرثیہ خوانی اہل شیعہ میں اہل سنت و جماعت کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں'' لکھتے ہیں:

حرام ہے،............... کچھ نہ ہو تو روایات موضوعہ و کلمات شنیعہ و ماتم حرام سے خالی نہیں ہوتی، اور یہ دیکھیں گے، سنیں گے، اور منع نہ کرسکیں گے، ایسی جگہ جانا حرام ہے۔

قارئین کرام! مولوی احمد رضا خاں صاحب کی مذکورہ بالاتصریحات کو خصوصیت سے بار بار پڑھیں۔

اس لئے کہ اور کسی مفتی یا عالم کو شیعہ جیسا کوئی غیر ذمہ دار آدمی از راہ افترا پردازی ''وہابی'' یا ''غیر مقلد'' کہہ دے تو کہہ دے، لیکن احمد رضا خاں صاحب بریلوی کو ''وہابی'' یا ''غیر مقلد'' کہنے کی جرأت کون شیعہ کرسکتا ہے۔

شیعہ مؤلف کے نقل کردہ بازاری اشتہارات

فاضل بریلوی کی تصریحات کو بار بار غور سے پڑھنے کی اس لئے بھی ضرورت ہے اور ہم نے اسی مقصد کے پیش نظر کثرت سے ان کی تصنیفات کے اقتباسات پیش کئے ہیں کہ شیعہ مؤلف نے اپنے رسالہ کے آخر میں، چودھری شبراتی، ہاشم کی خمسہ عشری اور عباس بیگ سیتا پوری جیسے ''علاموں'' بلکہ ''اماموں'' کے جو اشتہارات نقل کئے ہیں، فاضل بریلوی کی تصریحات سے ان کے پرخچے اڑ جائیں، اور ظاہر ہو جائے کہ ان اشتہارات میں جو باتیں درج ہیں وہ سنی حنفیوں کے نہیں بلکہ سنی نما شیعوں کے خیالات وہفوات ہیں، اور جن مولویوں کی طرف ان بیہودہ باتوں کو منسوب کیا گیا ہے، وہ یا تو سرے سے عالم ہی نہیں ہیں، جیسے علیم اللہ وغیرہ، یا ان پر افترا پردازی کی گئی ہے، جیسے مولانا نور الحق فرنگی محلی وغیرہ۔

ہاں سید احمد صاحب لاہوری اور دیدار علی شاہ صاحب پر مجھے البتہ سخت تعجب ہے کہ ان دونوں نے اپنے کو ''رضا خانوی'' کہتے ہوئے کس طرح رسوم ماتم کو جائز لکھ دیا، جب کہ فاضل بریلوی ان تمام رسموں کو حرام اور شعار رافضیان لئام فرماتے ہیں۔

(۲۵)

جتنے علمائے کرام کی تصریحات اور سنی کتابوں کی جتنی عبارتیں میں نے اب تک پیش کی ہیں، میرے نزدیک یہ بھی ضرورت سے زیادہ ہیں چہ جائے کہ کچھ اور عبارتیں پیش کر کے ناظرین کرام کو مزید زحمت دی جائے، اس لئے اب صرف مولانا روم علیہ الرحمۃ کی مثنوی شریف کے وہ آبدار اشعار جن میں شیعوں کی رسم ماتم کی انھوں نے سخت مذمت فرمائی ہے، نقل کر کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں، اور مثنوی کے ان اشعار ہی کو اس رسالہ کا ''مسک الختام'' قرار دیتا ہوں:

اشعار مثنوی

خفتہ بود ستید تا اکنوں شما
کیا اب تک تم سو رہے تھے کہ

تا کنوں جامہ درید ید از عزا
اب تم ماتم حسین میں کپڑے پھاڑ رہے ہو

پس عزا بر خود کنید اے خفتگاں
پس سونے والے (شیعو) تم اپنا ماتم کرو

زانکہ بد مرگی ست ایں خواب گراں
اس لئے کہ یہ گہری نیند بری موت ہے

روح سلطانی ززندانے بجست
حضرت حسین کی روح شاہی قید خانہ سے نکل گئی

جامہ چوں درّیم چوں خائیم دست
تو پھر ہم کپڑے کیوں پھاڑیں یا ہاتھ کیوں چبائیں

چونکہ ایشاں خسرو دیں بودہ اند
جب کہ دین کے بادشاہ تھے تو جب انھوں نے

وقت شادی شد چو بگسستند بند
قید حیات سے نجات پائی تو خوشی کا وقت ہے

سوئے شاد رواں دولت تاختند
وہ شاہی محل کی طرف روانہ ہوئے

کندہ و زنجیر را انداختند
اور قید بند کو انھوں نے پھینک دیا

ودر ملک است و گہ شاہنشہی | گر تو یک ذرہ ازیشاں آگہی
یہ شہادت ان کی بادشاہی وحکومت ہے | اگر تو ایک ذرہ برابر بھی ان کے رتبہ سے واقف ہو
ور نہ آگہ برو بر خود گری | زانکہ در انکار و نقل محشری
اور اگر ناواقف ہے تو جا اپنا ماتم کر | کیوں کہ تو قیامت کا منکر ہے
بر دل و دین خرابت نوحہ کن | چوں نمی بیند جز ایں خاک کہن
اپنے دل اور برباد شدہ دین پر نوحہ کر | جب کہ تیرا دل اس پرانی دنیا کے سوا کچھ نہیں دیکھتا

و هذا آخر ما أردنا إيراده، و الحمد لله أولاً و آخراً و الصلوة و السلام على رسوله و آله و صحبه المتبعين لهديه باطناً و ظاهراً.

تمت
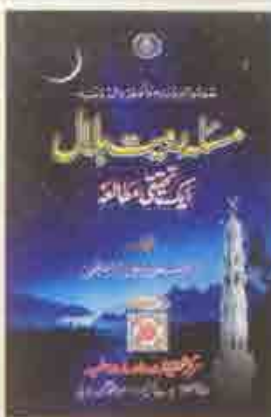
ہماری مطبوعات
دار الاسلام دار الحرب
تحقیق اہلحدیث
رجال بخاری
MADRASA MIRQATUL ULOOM
P.O. BOX No. 1, MAU - 275101 (U.P) INDIA
Ph. 2220469